غزل فارسی

[illegible]

دیوانِ بیاںؔ

دیوانِ بیاؔن

(خواجہ احسن اللہ خاں بیاؔن)

مرتّبہ ثاؔقب رضوی

(صدر شعبۂ اُردو، اودے پور یونی ورسٹی اودے پور)

مجلس اشاعت ادب (رجسٹرڈ) دہلی

تعداد: ۵۰۰

طباعت: اعلیٰ پرنٹنگ پریس، دہلی

قیمت:

مجلس اشاعت ادب (رجسٹرڈ) ۴۹۱۰۔ بازہ ہندوراؤ دہلی ۶

مقدمہ

بیان تذکرہ نگاروں کی نظر میں

اختلاف نسخ

فرہنگ

الف

ب

ر

ز

س

ش

ص

ض

ط

ہماری بھی کہانی کل بیاں یوں ہی بنا دیں گے
کہ جیسے آج ہم لوگوں کے افسانے بناتے ہیں

مقدمہ

سیاسی، سماجی اور معاشرتی پس منظر

دُنیا کی تاریخ ایسے بے شمار حادثوں سے بھری پڑی ہے جب اہل ہنر اپنے کمال کی متاعِ بے بہا لیے لیے پھرے ہیں اور کوئی اس کا پرساں نظر نہیں آیا ہے۔ بیآن کا عہد ایسے ہی المناک واقعات کی ایک لمبی کہانی ہے۔ یوں تو وَلی سے لے کر غالب تک اور غالب سے لے کر آج تک بیشتر فنکار ناقدری کے گلہ مند نظر آتے ہیں۔ لیکن تیرھویں صدی ہجری میں معاشی دشواریوں اور معاشرتی خرابیوں نے شعراء کے وقار کو جس طرح پامال کیا اور انھیں جن مصائب میں مبتلا کیا اس کا تصوّر بھی دردناک ہے۔

بیآن نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ بڑا پُر آشوب دور تھا، مغلیہ حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اوّل تو اورنگ زیب کے بعد دہلی کے تخت کو کوئی ایسا حکمراں نہ مل سکا جو سلطنت کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لا سکتا۔ اس کے برعکس ہر بادشاہ خود سازشی درباریوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ نادرشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے مغلوں کا رہا سہا دبدبہ بھی کھو دیا تھا۔ جاٹ مرہٹے اور سکھ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سرکش ہو گئے تھے۔ سرکاری خزانے خالی تھے۔ بیگمات اور شاہزادیاں دانے دانے کو محتاج تھیں حد یہ ہے کہ ایک دن شاکر خاں دیوان خیرات خانے کا شوربا شاہزادے کے پاس معائنے کے لیے لے گیا تو اس نے کہا کہ یہ محل کی بیگمات کو پہنچا دو کیونکہ وہ تین دن سے بھوکی ہیں۔ جب ضبط کا پیمانہ لبریز

ہوگیا تو بیگمات نے قلعہ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا لیکن دروازے مقفل تھے اس لیے مجبور ہو گئیں۔

بیاؔن کی وفات ۱۲۱۱ھ میں ہوئی اور شاہ عالم ثانی کی ۴۸ سالہ حکومت ۱۲۱۲ ہجری میں اختتام کو پہنچی یعنی بیاؔن کی زندگی کا تقریباً تمام تر حصہ شاہ عالم ثانی کے عہد حکومت میں گزرا۔ کہنے کو تو اس نے ایک لمبے عرصے حکومت کی لیکن تاریخ ہند کے غائر مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ بدنصیب کوئی بادشاہ شاید ہی تخت پر بیٹھا ہو۔ غلام قادر روہیلہ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور قلعے پر قبضہ کر لیا یہی نہیں بلکہ انتہائی برہمی کی حالت میں وہ بادشاہ کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اپنے چھُرے کی نوک سے اس کی دونوں آنکھیں نکال لیں۔ اسی حالت میں وہ کئی دن تک بھوکا پیاسا پڑا تڑپتا رہا۔ غلام قادر نے شہزادیوں کی بے حرمتی کی، شاہزادوں کو ناچ گانے پر مجبور کیا اور بیگمات پر ظلم کر کے ان کی دولت چھینی —— غرض یہ ہے کہ یہ زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں انتہائی مصیبتوں کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے۔ بیاؔن کے استاد مرزا مظہر جانجاناں جو ایک گوشہ نشیں بزرگ تھے، ان حالات سے پریشان ہو کر لکھتے ہیں "از تشویشات ہر روزۂ دہلی تنگ آمدہ ام"۔

اس عہد کے شعرا بالخصوص حاتمؔ، سوداؔ، مصحفیؔ اور نظیرؔ ان حالات سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔ ان شعرا کے کلام سے اس عہد کی مستند تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے سودا کے ایک شہر آشوب سے چند بند نظر کیے جاتے ہیں جس سے اس دَور کے مصائب کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے ؎

کہا یہ آج میں سوداؔ سے کیوں ہے ڈانوڈول ۔۔۔ پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے کہ اس کا جواب ہیں دو بول ۔۔۔ اگر کہوں میں تو سمجھے گا نو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بنا کہ نوکری کہتی ہے ڈھیر لیوں یا تول

اسیر اب جو ہیں دانا انھوں کی ہے یہ چال ۔۔۔ ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانے کا حال
بجھی ہے سوزنی خوجا کھڑا اچھلے ہے رُمال ۔۔۔ حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہل کمال

دھری ہے روبرو ایک پیکدان بھی خوش ڈول

جو کوئی ملنے کو گاہے انھوں کے گھر آیا — ملے یہ اس سے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا — انھوں نے پھیر کے اودھر کو منہ یہ فرمایا

خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

پڑے جو کام انھیں تب نکل یہ کھائی سے — رکھیں وہ فوج جو موتے پھرے لڑائی سے
پیادہ ہے سو ڈرے سر منڈاتے نائی سے — سوار گر پڑے سوتے میں چارپائی سے

کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

وہ نوکر اب جسے آقا ہر آن پہچانے — جو پوچھو اُن سے کہ تم کچھ روپے لگے پانے
کہے ہے آہ وہ بھر کر سوائے آٹھ آنے — روپے کی شکل ہی دیکھی نہیں خدا جانے

کہ اس زمانے میں چپٹا بنے ہے یا وہ گول

کسی کے گھر نہ رہا آسیا سے تا بہ اُوجاغ — ہزار گھر میں سے اک گھر میں اب جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے گھر سے داغ — اور ان مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں اولاغ

جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

جہاں آباد تو کب اس جفا کے قابل تھا — مگر کبھو کسی عاشق کا یہ مگر دل تھا
کہ یوں اٹھایا گویا کہ نقشِ باطل تھا — عجب طرح کا یہ بحر جہاں پہ ساحل تھا

کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

جب شاہ جہاں آباد جس کی خاک سے خلق موتی رولتی تھی اجڑ گیا تو شاعروں کے قافلے دہلی کو چھوڑ دکھن اور یورپ کو روانہ ہونے لگے۔ اودھ میں انگریزوں کی عنایت کی بدولت خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ تھا۔ آصف الدولہ جیسا لکھ لٹ نواب سربراہِ سلطنت تھا، نہ بدامنی کا خوف تھا، نہ تنگ دستی کا۔ چنانچہ سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ قائمؔ سب ہی اُس درِ دولت سے وابستہ ہو گئے۔ ایک تنہا دردؔ نے قناعت کا دامن نہ چھوڑا اور کنجِ قناعت سے باہر نہ آئے۔ بیاںؔ نے دہلی کو چھوڑ کر حیدرآباد کا رُخ کیا۔ یہاں بھی آسودہ حالی نصیب تھی۔ اودھ کی طرح حیدرآباد کو بھی انگریزوں کی دوستی اور

سرپرستی میسر تھی (اس دربار کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

نام

بیاںؔ کے نام کے متعلق تذکرہ نویس مختلف الرائے ہیں (تذکرۂ عشقی (ص: ۷۳)، تذکرۂ شورشؔ (۴۹)، فص الکلمات (ورق ۴۱۸-ا)، گلشن سخن (۱۳- ا)، نشتر عشق (۱۰۶-ا) تذکرۂ میر حسن (۲۶، ۲۷)، تذکرہ ریختہ گویاں میں ان کا پورا نام احسن اللہ خاں بتایا گیا ہے۔ لیکن سرورؔ نے تذکرۂ سرور (۱۴۴)، احد علی یکتاؔ نے دستور الفصاحت (۸۲)، حیرتؔ نے مقالات الشعرا (۱۴ پ) اور شوقؔ رامپوری نے تکملۃ الشعرا (۶۳ ب) میں ان کا نام احسن الدین خاں بتایا ہے۔ قدرت اللہ قاسمؔ کے بیاںؔ سے قریبی تعلقات تھے دونوں ہم سبق تھے۔ قاسمؔ مجموعۂ نغز جلد ا: ص ۲۴ میں ان کا نام احسن اللہ خاں بتاتے ہیں، لیکن دو تین سطروں کے بعد ہی لکھتے ہیں کہ:

"خواجہ احسن الدین خاں بیاںؔ شاعر فصیح اللسان سخن سنج بلیغ البیان است

قاسمؔ سے زیادہ معتبر بیان اور کس کا ہو سکتا ہے لیکن دشواری یہ ہے کہ اس میں تضاد پیدا ہو گیا۔ یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ وہ دونوں ناموں سے مشہور رہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو قاسمؔ شروع ہی میں اس کی وضاحت کر دیتے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ سہو ہے۔ اس لیے قیاس یہی ہے کہ ان کا پورا نام احسن اللہ خاں ہے۔

وطن

ان کے وطن کے متعلق بھی تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ حمزہ[۱]، حیرتؔ[۲]، مبتلاؔ[۳]، شورشؔ[۴]، شفیقؔ[۵]، و مولف سفینۂ ہندی[۶] ان کا وطن اکبر آباد بتاتے ہیں۔ لیکن

۱۔ فص الکلمات/ ۴ ا، ۲۔ مقالات الشعرا/ ۱۴ ب، ۳۔ مبتلاؔ: گلشن سخن/ ۱۳ ا،
۴۔ شورشؔ: تذکرۂ شورش/ ۴۹، ۵۔ شفیقؔ: چمنستان شعرا/ ۵۲۔
۶۔ سفینۂ ہندی/ ۲۶۔

قاسم جنھیں ان کا ہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہے انھیں "از خطۂ کشمیر دلپذیر" بتاتے ہیں۔ ان کے بیان کی تصدیق اعظم الدولہ سرور کے عمدۂ منتخبہ سے ہوجاتی ہے، سرور لکھتے ہیں:

"اصلش از کشمیر و مولد شاہ جہاں آباد۔"[1]

سفرِ مارہرہ

۱۱۸۴ھ میں بیان وزیر غازی الدین کی معیت میں مارہرہ گئے تھے۔ وہیں شاہ محمد حمزہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ حمزہ لکھتے ہیں:

"خواجہ احسن اللہ بیان در سنہ یک ہزار و یک صد و ہشتاد و چار ہجری ہمراہ نواب وزیر غازی الدین خاں بفقیر خانہ (در مارہرہ) رسیدہ بود۔"[2]

سفرِ حیدرآباد

بیان عمر کے آخیر حصے میں (۱۱۷۳ھ) حیدرآباد چلے گئے تھے اور آصف جاہ ثانی میر نظام علی خاں کے درِ دولت سے وابستہ ہو گئے تھے۔

میر، قایم، مصحفی جتنے شعرا نے دہلی چھوڑی تھی ان کے کلام میں دہلی کا ذکر بڑی حسرت کے ساتھ ملتا ہے۔ بیان کو بھی اپنا وطنِ ثانی یاد آتا تھا لیکن کیا کرتے دہلی میں معاش کی صورت نظر نہ آتی تھی ؎

چھوڑے اپنا نہ کوئی آپ وطن پھرتا ہے
دانا پانی لیے پورب سے دکن پھرتا ہے

(بیان)

۱۔ سرور: عمدۂ منتخبہ/۱۴۴

۲۔ شاہ محمد حمزہ: فص الکلمات/۱۴۸ا

مرزا مظہر جانجاناں سے تلمذ

بیاںؔ نے مرزا مظہرؔ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ استاد کے کمال کے دل سے معترف تھے اور ان کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں ؎

بندے سے ثنا حضرتِ استاد کی کب ہو
مظہرؔ ہے خداوند کی وہ شان اتم کا

اور:

جب سے شاگرد ہوا حضرتِ مظہرؔ کا بیاںؔ | کیا شاگردی کا اقرار سب استادوں نے
یا علی صدقے ترے کیا کیا مری کل بل ٹلی | کُل بلا تجھ نام سے اے مظہرِ اکمل ٹلی

استاد کی وفات پر تاریخ نکالی ہے:

صہبا شد خوشہ کہ در خم جوشید | دریا شد قطرہ کہ در بحر رسید
چوں دار بقا جناب مظہرؔ بگزید | تاریخ وصال مظہر گل گردید

بیعت

مولانا شاہ فخر الدینؒ سے بیعت تھے۔ انھیں جگہ جگہ پیر و مرشد کے نام سے یاد کرتے ہیں:

تجھ کو کس نام سے لے فخر مرے یاد کروں
باپ ہے، پیر ہے، مرشد ہے، خدا ہے کیا ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

تجھ سے کوئی چاہتا ہے فیل اور فرس | رکھتا ہے کوئی نعیم و عقبیٰ کی ہوس
اے فخرِ زمن، دینِ بیاںؔ، جانِ جہاں | میں تجھ کو تجھی سے چاہتا ہوں اور بس

مذہبی عقائد

بیاںؔ سنی المذہب تھے اور اس کا بیّن ثبوت شاہ فخر الدین سے ان کی بیعت ہے

لیکن ان کے سارے کلام میں خلفائے راشدین کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اس کے برعکس وہ بار بار خود کو مداحِ امیرالمومنین (علیؓ) بتاتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ کے غلام ہیں اور جامِ کوثر کے طلبگار! اس کے دو اسباب ممکن ہیں ایک تو حضرت علیؓ اور اولادِ علیؓ سے عقیدت، دوسرے حالات کا تقاضا۔ اور دوسری بات ہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ غالبؔ جیسے مفکر شاعر کے مذہبی عقائد ان کی ضرورت کے تابع رہے، کسی شیعہ سے کام آپڑا تو "سادات کے غلام" ہو گئے۔ بہادر شاہ نے استفسار کیا تو شیعیت کے خلاف رباعی لکھ ڈالی۔ مصحفی بھی ایسے ہی حالات سے دوچار تھے، انھوں نے اپنے مذہبی عقیدے کے متعلق بڑی سیدھی سچی بات کہی ہے:

مذہب کا تو غم کھانا کیا کیجیے غم یہ ہے
یاں نوکری بھی آکر ٹھہری ہے رکابی کی

بیاںؔ جس دربار سے توسل رکھتے تھے وہاں بھی شیعیت کا سکہ چلتا تھا۔ ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ کی مدح کر کے معتوب کیوں ہوتے۔

کلام بیاں کا جائزہ

دیوان بیاںؔ میں جو اصناف موجود ہیں ان کی تفصیل یوں ہے

غزلیات:

متفرق اشعار:

رباعیات:

مخمس:

مسدس:

مراثی:

قصائد:

مثنویات:

واسوخت :

قطعات :

غزل فارسی :

نظریہ شعر

بیاںؔ کم گو تھے ۔ ان کا دیوان مختصر مگر منتخب ہے۔ زبان وبیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آخر تک اپنے کلام میں قطع وبرید کرتے رہے۔ وہ طبع جوشگاف رکھتے تھے اور سخن کو غور سے کہنے کے عادی تھے :

کہیے سخن کو غور سے اے طبع جوشگاف
یہ گھاس کھودنا نہیں یا پات کاٹنا

غزل گوئی

بیاںؔ کی غزلیں رطب ویابس سے پاک ہیں ۔ ان کی غزلوں کا بالاستیعاب مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ انھیں آخیر تک نوک پلک سے سنوارتے رہے ہیں۔ ان کی غزلوں میں یہ ایک عیب نمایاں ہے کہ ناموس اور ثقیل عربی فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں جو غزل کے مزاج سے میل نہیں کھاتے ۔ اس خامی سے "لسانیاتی مطالعے" میں بحث کی گئی ہے۔

لمبی ردیفیں

بیاںؔ نے تنگ وخواب شلنگ وخواب قسم کی سنگلاخ زمینیں صرف چند ہی غزلوں کے لیے منتخب کی ہیں ۔ ان کے بیشتر ردیف وقوافی بہت مترنم ہیں ۔ جہاں انھوں نے لمبی ردیفیں منتخب کی ہیں وہاں بھی ان کے مذاق سلیم کا ثبوت ملتا ہے ، ان کے کلام سے بعض اشعار پیش کیے جاتے ہیں ۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ ردیفوں کے انتخاب میں انھوں نے کتنی کاوش کی ہے اور ان میں کیسے کیسے عمدہ شعر نکالے ہیں :

آیا لبوں پہ جب جی فریاد ہم نے تب کی آزردہ اتنے پر بھی جو تو ہوا ہوا کر

ہمارے کیفی کا منہ ہے گلاب کا سا پھول — عرق جو ٹپکے ہمیں ہے شراب کا سا پھول

کھلے جو آنکھ تو دھوکا ہے باغِ دہر تمام — خیال کیسے یہ بلبل ہے خواب کا سا پھول

بس آنکھ کھلتے ہی ہے کان میں پیام خزاں — رکھے ہے باغ میں عالم حباب کا سا پھول

چھٹے جب ہاتھ سے تیرے تو کب ہم ہاتھ لگتے ہیں — کوئی شہباز اے صیاد ہر دم ہاتھ لگتے ہیں

عاشقی کرنے میں ہم ناچار ہیں بھی اور نہیں — اس دلِ خود رائے پہ مختار ہیں بھی اور نہیں

اپنے ہی منہ کہیں کیونکہ کہ ہم ایسے ہیں — جاں نثار اپنوں میں گر ڈھونڈو تو کم ایسے ہیں

عشوہ ہے ناز ہے، غمزہ ہے ادا ہے کیا ہے — قہر ہے، سحر ہے جادو ہے بلا ہے کیا ہے

یہ جو اس شوخ پہ کرتا ہے بیاںؔ جاں نثار — خبط ہے عشق ہے، سودا ہے، وفا ہے کیا ہے

ستم سے یار کے، سنتا ہے، اے دل، آہ کیا کیجے — کسی بے درد کو اسی درد سے آگاہ کیا کیجے

جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کر لیے — آغاز اگر کھو یا انجام تو کچھ کر لیے

کہیو قاصد بت خود کام سے پھر صبح ہوئی — آج بھی جھوٹے ہی پیغام سے پھر صبح ہوئی

ہاتھ لگ جانے سے خاطر تری دیگر تو ہوئی — زلف الجھی تھی ہیں سلجھا دیا تقصیر تو ہوئی

چھوٹی بحریں بیاںؔ کے کلام کو ان کے عروج پر دیکھنا ہو تو ان کی چھوٹی بحر کی غزلوں کا مطالعہ کیجیے، چھوٹی بحر کی مترنم غزلیں ان کے کلام کی جان ہیں اور ان کا سارا دیوان ایسی غزلوں سے معمور ہے، یہاں ان سب کا ذکر تو ممکن نہیں کچھ منتخب

غزلوں کے اشعار درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ بتِ خود کام چلا جاتا ہے — صبر و آرام چلا جاتا ہے

۲۔ جا کہے کوے یار میں کوئی — مرگیا انتظار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا — سر رکھے انتظار میں کوئی

۳۔ غیر کے آگے دل کی بات بیاں — آہ میری زبان پر آئی

۴۔ کروں شکوہ درد و غم کب تلک — بہر حال جیتا تو ہوں اب تلک

۵۔ گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں — دل پہ میرا کچھ اختیار نہیں

۶۔ کیا دردِ دل سنایئے کچھ بات ہی نہیں — کیونکر بلایئے کہ ملاقات ہی نہیں

۷۔ صبح آنے کا اس کے وعدہ ہے — مجھ کو پر رات بھر کی آس کہاں

۸۔ جو زمیں پر فراغ رکھتے ہیں — آسماں پر دماغ رکھتے ہیں

۹۔ ایسی مے سے کہ یار بن پیجے — ہے مزہ خونِ دل کے پینے میں

۱۰۔ کوئی ایسا جہان میں نکلے — کہ درست امتحان میں نکلے

۱۱۔ جادو تھی، سحر تھی یا بلا تھی — ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی

۱۲۔ کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے — لیکن اس کا نباہ مشکل ہے

۱۳۔ مجھے غم سے اس واسطے پیار ہے — کہ میرے برے وقت کا یار ہے

رمز و ایما۔ بیاںؔ کی غزلوں میں بلا کی سادگی ہے لیکن رمز و ایما کا وہ انداز ان کے یہاں نہیں ملتا جو بلند پایہ اشعار کی جان ہے۔ پھر بھی کہیں کہیں ایسے شعر نظر آجاتے ہیں جن میں شاعر اشاروں میں بہت کچھ کہہ جاتا ہے جیسے:

تیرے آنے سے پہلے گر کوئی ڈھونڈے ہمیں پاوے

طلوعِ خور سے پہلے مثل شبنم ہاتھ لگتے ہیں

عشقیہ غزلیں اردو غزل اپنے لغوی معنوں میں تو کبھی محدود نہ رہی لیکن عشق اس کا خاصہ ضرور رہا ہے۔ ہر شاعر نے اپنے تجربے اور مشاہدے کے مطابق عشقیہ شعر کہے ہیں لیکن اردو کی عشقیہ شاعری کا بیشتر حصہ روایتی ہے۔

عشق کی تلخ کامیوں سے دو چار ہونے والے کم ہیں سنی سنائی باتیں نظم کرنے والے زیادہ۔ بیاںؔ بھی انھیں میں سے ایک ہیں۔ ہمیں کوئی داخلی یا خارجی شہادت ایسی نہیں ملتی کہ ایسا کوئی حادثہ خود ان پر گزرا ہو۔ ان کے یہاں عشق کے جتنے مضامین ہیں جگ بیتی ہیں۔ ان میں نہ صداقت ہے نہ شدّتِ اثر۔ لیکن بیاںؔ کو فنی مہارت حاصل ہے اس لیے کہیں کہیں پر آپ بیتی بھی لطف دے جاتی ہے۔

بیاںؔ عشق و عاشقی میں رکھ رکھاؤ کے قائل ہیں۔ چھیڑ چھاڑ ان کے بس کی بات نہیں۔ ان کی آرزو تو بس اتنی ہے:

کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو
اک بے خلل سی جا ہو بس میں ہوں اور تو ہو

وہ اپنے محبوب کو کہیں مست و بے خود دیکھتے ہیں تو تڑپ کے رہ جاتے ہیں:

کیا کہوں کیا کیا امنگیں جی میں آتی ہیں بیاںؔ
جب نظر پڑتا ہے تنہا مجھ کو وہ مے خوار مست

ایسے عالم میں شرم مانع گفتار ہوتی ہے تو وہ اُسے کوستے نظر آتے ہیں:

یار تنہا ہے پھر ایسا نہیں ملنے کا وقت
شرم ہوتی ہے مری مانعِ گفتار عبث

اور ایسے موقع پر وہ لحاظ کو بے جراتی خیال کرتے ہیں:

بے جراتی پہ وال ہے گر کیجے یاں لحاظ
اب وصل ہے کدھر کا ادب اور کہاں لحاظ

لیکن جرات کے اظہار کے بعد ان کا صفائی اور معذرت کا یہ انداز نظر آتا ہے کہ:

نہیں ہیں بوسہ لیا ہونٹ پیار سے چومے
جو اس پہ روٹھے تو آپ اختیار رکھتے ہیں

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ یہ وہی فرسودہ مضامین ہیں جو اردو کے سب شاعر معمولی ردّ و بدل کے ساتھ باندھتے آئے ہیں۔

مسدّس

غزلوں کے بعد دیوان بیاںؔ میں دو مسدس شامل ہیں۔ پہلے مسدّس میں مختصر شبِ وصال کی کیفیت بیان کی گئی ہے ۔ ٹیپ کا بند ہے:

صبح دمید، شب گزشت ، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

چار چار مصرعوں میں وصل کی روئیداد بیان کر کے یہ شعر دُہرایا ہے ۔ اس کی تکرار نے مسدّس کا حسن دو بالا کر دیا ہے ۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

کتنے دنوں کے بعد رات وہ مہ عنبریں نقاب — لطف سے میرے گھر میں آ بارے ہوا تھا بے حجاب
عرصۂ شب ہوا تمام کیا کہوں کس قدر شتاب — توڑوں فلک کی چھت کو میں پھوڑوں یہ قرص آفتاب

صبح دمید، شب گزشت ، ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

دوسرا مسدس نواب آصف جاہ نظام الملک میر نظام علی خاں کی مدح میں ہے یہ مسدس ایک طرح اس عہد کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اس میں نواب کو ٹیپو کی شکست پر مبارکباد دی گئی ہے:

خاندانِ آصفی کا ہے موئید کردگار — مرہٹے انگریز سے یاں کی مدد سے استوار
تھا اسی تائید سے میداں میں دونوں کو قرار — نام کی ہیبت سے آخر کر گیا ٹیپو فرار

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست، اے عالی جناب

سلام و مراثی

دیوان میں ایک سلام اور دو مرثیے بھی شامل ہیں۔ سلام ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع ہے:

اوّل تو مصطفیٰ کو آداب عرض کیجو　　سلطانِ انبیا کو آداب عرض کیجو

مراثی مسدّس کی شکل میں ہیں اور ان میں کوئی خاص بات نہیں صرف خانہ پُری ہے۔ غالباً ان کا مقصد ماحول کو سازگار بنانا رہا ہوگا کیونکہ دکن میں شیعی عقائد کا دور دورہ تھا۔ ایرانی معاشرت غالب تھی۔

قصائد

قصیدوں کی تفصیل یوں ہے:

قصیدۂ اول	در منقبت امیرالمومنین	۴۲	اشعار
قصیدۂ دوم	در مدح سالگرہ میر نظام علی خاں	۴۸	اشعار
قصیدۂ سوم	در مدح معین الدولہ غلام سید خاں بہادر	۳۴	اشعار
مطلع دعائیہ	میر نظام الدین	۷	اشعار
مدح	میر نظام علی خاں	۵	اشعار

پہلے قصیدے کی تشبیب اپنے شاعرانہ ادعا پر مشتمل ہے۔ فخریہ اشعار کے بعد غزل کے چند شعر ہیں پھر گریز یوں شروع کرتے ہیں:

یہ نہ سمجھا وہ کہ اس تعریف کا ہے کیا سبب　　یہ نہ جانا فخر میں نے کس بھرو سے پر کیا
جس قدر بالا پری کیجے سبھی دیتی ہے زیب　　کون سی تعریف ہے اتنا اگر میں نے کہا
بلکہ اپنی قدر سے غافل ہوں یہ کیا فخر ہے　　میں تو کہلاتا ہوں مداحِ علیِ مرتضا

اس کے بعد مدحیہ اشعار ہیں۔ مدح کرتے کرتے اپنی شاعری کا ایک وصف بھی بیان کر جاتے ہیں:

کیا سبک الفاظ میں واقع ہوا تیرا کلام
اے بیاں کچھ خبر ہے کرتا ہے یہ کس کی ثنا

آخیر میں تین دعائیہ اشعار ہیں:

مانگ لے جو مانگتا ہے اس جناب پاک سے　　اس درِ دولت سے پھرتا ہی نہیں خالی گدا

یا امیر المومنین اک عرض اس عاصی کی ہے　　جس کو اپنا ورد یہ کرتا ہے اب صبح و مسا
صدق دل سے جو کوئی ہو اس گھرانے کا غلام
وہ کسو در پر کبھو لے کر نہ جاوے التجا

تیسرے قصیدے کا آغاز شکرِ خداوندی سے ہوتا ہے:

اگر ہزار برس تک بیاں کروں تقریر　　تو ہو سکے نہ ادا مجھ سے شکرِ حیِ قدیر
عجب ہے دولتِ جاوید حق نے کی روزی　　ہزار مرتبہ کہیے جسے بہ از اکسیر
ہمیشہ دل میں مرے یہ خیال رہتا تھا　　کہ کھینچے پھرتی ہے کیوں ہر طرف مجھے تقدیر

اور اس کا سبب یہ تھا کہ مشیت انھیں کسی "شخص کامل" کے سایہ عاطفت میں پہنچانا چاہتی تھی۔ اور وہ نواب اعظم الامرا کی شخصیت تھی۔ اس کے بعد وہی روایتی مبالغہ آرائی ہے جو اردو کے تمام قصیدوں میں ملتی ہے۔ نسب میں وہ نوشیروانِ عادل ہے۔ بزرجمہر اس خاندان کا نوکر ہے۔ ماہ مہر منیر کو انھوں نے مسخر کیا ہے۔

مثنویات

مثنویات کی کل تعداد تین ہے۔ پہلی مثنوی زوالا ہے۔ اس میں روے سخن میر سجاد کی طرف ہے۔ کسی شخص نے بیآن کے کلام پر اعتراض کیے تھے، ان کے خیال میں اس کا سبب یہ تھا کہ:

میں ہوں مداحِ امیر المومنین　　اس میں مدحِ مرتضیٰ نکلی کہیں
ہو گیا وہ منقبت کو دیکھ آگ　　لگ گئی اس کے تئیں مجھ ساتھ لاگ
خورہ گیری وہ مری کرنے لگا　　نام میرے شعر پر دھرنے لگا

بیآن نے کہیں کہا تھا کہ "ہے خطِ فرضی سما پر استوا" اسے اس پر اعتراض تھا کہ:

ہے سما پر استوا یا رو کہاں
یہ تو ہے فرقِ زمین و آسماں

میر سجاد اتفاق سے وہاں موجود تھے۔ انھوں نے ان کی وکالت کی۔ جب بات بیآن تک

پہنچی تو انھوں نے خاقانی کے کلام سے سند پیش کی :

از سر زلفِ تو بوے سر بمہر آمد . بما جاں بہ استقبال شد کاے مبدجا نہا تا کجا

تیر چوں درزہ نشاندی بر کمانِ چرخ وش گوئیا محور ہمیراندی ز خطِ استوا

دوسری سند فیضی کے کلام سے پیش کی ہے :

فیضی ہم چوں خطِ استوا برا فلاک

تیسری سند میں صائب کا شعر پیش کیا ہے :

عصا رہبر نہ باشد گر نہ پیراں را دریں وادی

چرا گردوں بہ دستِ خویش خطِ استوا دارد

میر سجاد کے لیے دعائے درازیِ عمر کے ساتھ یہ مثنوی ختم ہوتی ہے۔

دوسری مثنوی چیک نامہ ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے اسے جنگ نامہ لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ اسی میں مرزا فیضو کی چیک کے مرنے پر غم کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی کیا ہے اچھا خاصا چڑیا گھر ہے۔ سالم علی نے ہندوستانی پرندوں پر کام کیا ہے۔ ان کا مقالہ Indian Birds ایک معتبر مقالہ ہے لیکن اس مثنوی میں بعض ایسے پرندوں کے نام استعمال ہوئے ہیں جن کا ذکر سالم علی کی کتاب میں بھی نہیں ملتا۔

چیک نامہ کے بعد مثنوی چاہ مومن اور موش نامہ ہے، دونوں معمولی مثنویاں ہیں

واسوخت

اس کے بعد ایک واسوخت ہے۔ یہ سات بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کا آخری شعر فارسی ہے

دیوان کے آخیر میں دو رباعیاں، قطعہ تاریخ وفات مرزا مظہر اور ایک فارسی غزل ہے جس پر یہ دیوان ختم ہو جاتا ہے۔

دیوانِ بیاؔن کے نسخے

ہمیں اب تک دیوانِ بیاؔن کے چار نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

نسخہ، سالار جنگ میوزیم حیدر آباد دکن

اس نسخے کی کتابت نواب حیات الدولہ سلطان مرزا خان بہادر کی فرمائش پر حیدر آباد میں ۲۲ جمادی الاول ۱۲۱۱ ہجری کو تکمیل کو پہنچی۔ پہلی غزل کا مطلع ہے:۔

کیاں کیجے بیاں اس کے وجوب اور قدم کا
طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا

اس کے بعد ردیف دار غزلیں ہیں۔ ردیف 'ی' کی آخری غزل ہے:

چھوڑے اپنا نہ کوئی آپ وطن پھرتا ہے
دانا پانی لیے پورب سے دکن پھرتا ہے

پھر دو غزلیں ردیف 'ر' کی ایک 'ی' کی، ایک 'میم' کی تین 'ن' کی اور دو متفرق اشعار ہیں۔ اس کے بعد دو متفرق قصیدے (جوں نبوّت جناب اقدس پر اور "عجب بندہ کیا پیدا ہمیں اس اللہ کے صدقے" اور متفرق اشعار ہیں۔

اس کے بعد سوداؔ اور یقیںؔ کی غزل پر مخمس اور دو مختصر مخمس ہیں۔ اس کے بعد رباعیات ہیں۔ رباعیات کے بعد قصیدے اور مرثیے ہیں۔

فارسی غزل پر یہ نسخہ ختم ہوتا ہے۔

نسخۂ آصفیہ (سینٹرل اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد)

دوسرا نسخہ سینٹرل اسٹیٹ لائبریری میں محفوظ ہے اس کا نمبر ۴۸۰۱ جدید ہے یہ نسخہ کرم خوردہ ہے اور اکثر اشعار پڑھے نہیں جا سکتے۔ تاہم اس سے متن کی اصلاح میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ مخطوطہ سنہ ۱۲۰۰ھ کا مکتوبہ ہے اور اس کا آغاز اس غزل سے ہوتا ہے:

کیا کہیے بیاں اس کے [وجوب اور قدم کا]
طاقت نہ زباں کی ہے نہ [مقدور قلم کا]

اس کے بعد ردیف وار غزلیات میں 'ی' کی ردیف کی آخری غزل ہے:

دل کو دیوانہ کیا زلفِ پریزادوں نے
مرغِ وحشی کو لیا دام میں صیادوں نے

پھر ۴ رباعیاں۔ مخمس بر غزل سودا، مخمس دوم، مخمس بر غزل یقینؔ، مثنوی تعریف چاہ، ہجو مرزا فیضو (چیک نامہ) مثنوی در جواب ایراد (مثنوی زوالا) واسوخت و قصیدہ در منقبت حضرت علیؓ پر یہ نسخہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس نسخے کی بعض غزلیات و اشعار نسخہ سالار جنگ میں موجود نہیں۔ انھیں ضمیمے میں شامل کیا گیا ہے۔

نسخہ حبیب گنج (آزاد لائبریری) علی گڑھ

تیسرا خوشخط نسخہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا ترقیمہ یہ ہے:

"دیوان بلاغت نشان میر احسن الدین خاں بیانؔ بروز یک شنبہ بتاریخ بست و چہارم ماہ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ از خط سید نور الحسین بندہ جاں نثار فدوی وفادار غلام میر حسین علی خاں بہادر ایما مدظلہ العالی تمام شد۔"

اس نسخے کا آغاز بھی متذکرہ بالا دونوں نسخوں کے مطابق ہے لیکن آگے چل کر ترتیب میں فرق ہوگیا ہے۔ غزل:

"مرتا ہوں غم گساری جواب نہیں تو پھر کب"

میں تیسرے شعر کے بعد سے صفحے غائب ہیں۔

غزل ؎ "آج تو کہ دیکھتا ہوں اس سے بارے اس قدر" کے

بعد غزل ؎ "فرہاد کس امید پہ لایا ہے جوئے شیر" شامل ہے۔

غرض اسی طرح ترتیب میں فرق ہے۔ اس نسخے سے بھی مقابلہ کر لیا گیا ہے۔

نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی

یہ نسخہ ۱۷ سطری مسطر کے ۹۵ صفحات پر مشتمل ہے، اور ماہ صفر ۱۳۲۷ ف کا مکتوبہ ہے۔ سید محمد علی ملیح آبادی نے اسے کسی "صحیح نسخے" سے نقل کیا ہے لیکن درمیان میں اکثر شعروں کی جگہ خالی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے یہ اشعار ان سے پڑھے نہ جا سکے ہوں گے۔

آغاز باقی نسخوں کے مطابق ہے۔ ۵۱ تک ردیف وار غزلیں۔ اس میں کل ۳۸ رباعیاں ہیں۔ قصائد، مراثی اور مثنویات اس میں شامل ہیں۔ اس مخطوطے کا آخری شعر ہے:

بیاںؔ بس اسی نام کو یاد رکھ
دو عالم سے خاطر کو آزاد رکھ

ان چار نسخوں کے علاوہ انڈیا اوفس لائبریری میں ایک بیاض موجود ہے جس میں بیاںؔ کا کلام بھی شامل ہے۔ اس بیاض میں ان کا پورا نام احسن الدین خاں بتایا گیا ہے۔ ترجمے کے بعد مختصر سا انتخاب شامل ہے، پہلا شعر ہے:

بیاںؔ تیرے کوچے سے چلتا رہے گا
مری جان تو ہاتھ ملتا رہے گا

املا

یائے معروف و مجہول کو ایک ہی طرح لکھا گیا ہے۔

کاف اور گاف پر ایک ہی مرکز ملتا ہے۔ (بالعموم)

تڑپنا کو تڑپھنا

انھوں کو اونھوں

اس کو اوس

اُلٹ کو اولٹ

کلامِ بیاںؔ کا لسانیاتی مُطالعہ

بیاںؔ کی وفات کو تقریباً پونے دوسو سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ان کے کلام کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ان کی زبان ۱۷۴ سال قبل کی زبان ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ انھیں مذاق شعری لفظوں کے انتخاب اور در و بست کا ملکہ انھیں ودیعت کیا گیا تھا۔ ان کے کلام میں متروک الفاظ موجود ہیں لیکن ان کی تعداد کم ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھیں بخوبی اندازہ تھا کہ کون کون سے الفاظ اب ٹکسال سے باہر ہوتے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان الفاظ کی فہرست درج کی جاتی ہے جنھیں بیاںؔ نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے لیکن بعد کے شعرا نے انھیں متروک قرار دیا۔

متروکات

کبھو اور کسو: آتا تھا کچھ ہمیں بھی کبھو شعر یا سخن : اب تو کسو کی یاد نے سب کچھ بھلا دیا

تئیں : اظہارِ عشق کر کے ہم اپنے تئیں کو آپ : آنکھوں میں اس کی خوار کیا ہم نے کیا کیا

نپٹ : میں ترے قرباں ہوں اے قاتل نپٹ احساں کیا
ایک مدت سے مرا سر دوشِ تن پر بار تھا

گہنا : (ہ: گرہن کرنا) اب جی کے ڈر سے اس کو بہاں تو نہ چھوڑیو
ہیں مردوے کہ بانہہ کو جس کی گہا گہا

ان نے / کن نے / جن نے } مستی کو چھوڑ جن نے کیا زہد اختیار — گویا وہ مے کے قطرے سے انگور ہو گیا
باتوں میں آہ کن نے لگایا اسے بیاں — رکھتے تھے کان ٹک مری فریاد کی طرف

پنگھوڑا (بمعنی جھولا) نہیں اشک آنکھوں میں تھمتا کہاں تک
یہ لڑکا پنگھوڑے میں پلتا رہے گا

رہیو (یعنی رہے) یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

حیائی (حیا کی جگہ) حیائی چشم ظاہر سے اٹھائی — فراتِ اوّل شہ دیں نے چھڑائی

کری (بجائے کی) آیا وہ مہ تاباں جاں ہم نے کری قرباں
جب آوے کوئی جہاں اکرام تو کچھ کریے

باجنا (بجنا، مشہور ہونا) جس کا نیکی میں نام باجے ہے
اس کی نوبت مدام باجے ہے

پیچھو پیچھو : اور اک زخم کی امید پہ اس کا مقتول
پیچھو پیچھو لیے کاندھے پہ کفن پھرتا ہے

دبکنا (چھپنا) : کیا زلف میں اس شوخ کی تھی دبکی صبح
یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح

ہیگا (بجائے ہے) : گر چونک کے بیدار وہ ہوتا ہیگا
عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچے کو صبا کہیو کہ آہستہ کھلے
زانو پہ مرے یار سوتا ہیگا

تیں (بمعنی تو) میری محنت پہ تیں نگاہ نہ کی — کبھو جھوٹی بھی واہ واہ نہ کی

سیں (بمعنی سے): عقل سے معلوم یہ مجھ کو ہوا تو دروغ اس کو نہ کیجو لے خدا

ستی (سے): یاں تک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اس کے منہ ستی بے اختیار حیف

نہیں آنے کا (یعنی نہیں آئے گا):

ہر چند تھا یقین کہ آنے کا وہ نہیں اس پر بھی انتظار کیا ہائے کیا کیا

تروار (تلوار):

کہتا ہے بیاں سر نہیں لاتا ہے تو آگے میں کب سے لیے ہاتھ میں تروار کھڑا ہوں

متروکات کی اس فہرست کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ چند مستثنیات کے سوا باقی الفاظ نہ صرف عہد مصحفی و انشا میں جاری رہے بلکہ ان کے بعد آتش و غالب کے عہد تک ان کا استعمال جاری رہا۔ البتہ "تروار، ستی، سیں، تیں، ہیگا" وغیرہ بالکل متروک قرار پائے۔

ہندی الفاظ

متروکات کی جو فہرست پیش کی گئی ہے اس میں بیشتر الفاظ ہندی زبان کے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بیاں نے غیر مانوس ہندی الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً:

نراسا (ہ: نراشا بمعنی مایوسی، ناامیدی):

گیا یہ کون دنیا سے نراسا لیا جنگل میں جا کر کن نے باسا

بھانت (بمعنی طرح):

نام اس تیغ سرشت کا کس بھانت لوں کہ بجتا ہے میرے دانت سے دانت

من ہرن (ہ: من: دل + ہرنا، ہرن کرنا = لے لینا) کنایتاً محبوب:

من ہرن میرے بھلا رہنا تو مجھ سے اس قدر مزرعِ دل میں مرے یہ آن کر چرنا ہے کیا

من مانتی (حسبِ دلخواہ):

کل تو آوے گا ہی آخر غرۂ ماہِ صیام آج تو پی لیجیے من مانتی ساقی شراب

مہورت :

جب کہ دلچسپ کسی شوخ کی صورت دیکھیں　　دل کے دینے میں نہ عشاق مہورت دیکھیں

بیر (عداوت) :　　بس مرا صاحب یہی انصاف ہے سرکار میں

خیر خواہی میں رہیں مصروف ہم تم بیر میں

ہندی کے ساتھ ساتھ عربی کے ثقیل اور اردو میں غیر مستعمل الفاظ بھی نظر آتے ہیں ایسے چند الفاظ کی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

وجوب، قدم :

کیا کیجے بیاںؔ اس کے وجوب اور قدم کا　　طاقت نہ زباں کی ہے نہ مقدور قلم کا

مسموع :

سنتا ہے بیاںؔ عذر ترے سب ہیں یہ مسموع　　کیا مدح کرے جس کو سلیقہ نہیں ذم کا

تاج ولوا :

اوروں کو تو نے صاحب و تاج و لوا دیا　　اے آسماں بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

فسّاق :

فسّاق کا بھلا ہے نہ سونا نہ جاگنا　　بیداری و شراب ہے افیون و بنگ و خواب

افزود کرنا :

اور بھی اُن نے بیاںؔ ظلم کچھ افزود کیا　　کیا اس شوخ سے میں عشق کا اظہار عبث

جُناغ :

مبادا سینۂ عاشق کا استخواں ہو کوئی　　سمجھ کے توڑیو پیارے جُناغ تازہ و خشک

مُطمئنۃ، ارجعی :

حاصل ہو اس نفس کو صفت مطمئنہ کی　　بیش اس کو ارجعی کا ادھر سے خطاب ہو

احضاد :　　نہ لائے منہ پہ حیا سے رسول کے احضاد

کہ تا خجل نہ ہو اپنے لکھے سے ابنِ زیاد

بیاںؔ کے زمانے تک اردو کے قواعد اور اصول منضبط نہ ہوئے تھے ۔ چناں چہ

تذکیر و تانیث اور جمع کے اصولوں میں بے اعتدالیاں نظر آتی ہیں۔ کچھ بیاںؔ ہی کی تخصیص نہیں بلکہ بیشتر شعرا کے یہاں یہ عیب نظر آتا ہے کہ ایک لفظ کو ایک جگہ مذکر باندھتے ہیں تو دوسری جگہ مونث۔ بیاںؔ جان کو مذکر بھی استعمال کرتے ہیں اور مونث کے طور پر بھی:

جان (مذکر):

ہجر کی شب کی سحر کا میں نہیں منکر بیاںؔ — لیک پہنچا کر ہمارا جان بر لب ہوتی ہے صبح

جان (مونث):

فوارے کو دیکھ کے شمع راتوں روئی — یاں تک کہ جسد میں جان اپنی کھوئی

تعداد (مذکر):

اگرچہ یاں بہت تعداد تھا کم — رہے ثابت قدم سلطانِ عالم

سلطان کی جمع سلاطینوں:

قید میں رکھتا ہے کیوں اس کو سلاطینوں کی طرح
کب دوانے نے فلک مانگا ہے تجھ سے تخت و تاج

صفت کی جمع صفاتیں:

یہ صفاتیں زندگی ہیں مجھ سے زائل ہوں تمام — یہ کہ جن میں دخلِ دیو و نفس اور شیطان ہے

واحد اور جمع کے سلسلے میں ایک اور بات قابلِ لحاظ ہے۔ بیاںؔ معاش کی تلاش میں نکلے اور حیدر آباد میں جا قیام کیا۔ وہاں جمع بنانے کا یہ قاعدہ اب تک مروج ہے واحد کے آخر میں "ان" کا اضافہ کر دیتے ہیں لیکن بیاںؔ کے یہاں یہ رجحان نظر نہیں آتا۔

اشباع و تخفیف

ضرورتِ شعری کے لحاظ سے اشباع اور تخفیف دونوں کو جائز رکھا گیا ہے نہیں کو "ہ" کے ساتھ بھی نظم کیا ہے اور وزن کے تقاضے کے پیش نظر "ہ" کو

محذوف بھی کر دیا ہے:

یوں تو ممکن نئیں کہ تجھ بن یار ہووے جلوہ گر
زنگ اپنے دل کا آئینے سے غافل دھو تو ہو

منجھدار کو مانجدھار:

مری ناو پہنچی ہے آ مانجدھار   تری اک توجہ سے بس پار ہے

مٹی کو ماٹی:

یارب نہ ہند ہی میں یہ ماٹی خراب ہو   جاکر نجف میں خاک درِ بوتراب ہو

جگہ کو جاگہ:

لیا دل اور اس میں اپنی جاگہ کر گئے قایم   کہ لیتے ہیں جس آبادی کو واں تھانے بناتے ہیں

ایدھر بجائے اِدھر: اودھر بجائے اُدھر:

کیا پاس راہِ عشق سے ہے آستانِ حق   ایدھر رکھا قدم کو اور اودھر گیا پہنچ

یاں بجائے یہاں:

اگرچہ یاں بہت تعداد تھا کم   رہے ثابت قدم سلطانِ عالم

گی بجائے گئی

اک بار فوجِ عشق پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر   لے گی قرار و دین و دل و ہوش لوٹ کر

موئنہہ بجائے منہ:

اپنے ہی موئنہہ کہیں کیونکہ کہ ہم ایسے ہیں
جاں نثار اپنوں میں گر ڈھونڈو تو کم ایسے ہیں

اس زمانے تک علامتِ فاعلی "نے" کا استعمال کم پایا جاتا ہے۔ شعراء نے عموماً "میں نے کہا" کی جگہ "میں کہا" نظم کیا ہے۔ بیآن کہتے ہیں:

رو کے اس سے میں کہا مرتا ہے یہ بیمار آج
مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ پھر اس کا علاج

آہ ہم صافیٔ صورت پہ دیا دل کو بیا آں
یہ کہاں چشم کہ باطن کی کدورت دیکھیں

اسی طرح 'کے'، اور 'کو' محذوف کرنے کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں:

ہمیں مہر و محبت شعلہ رویوں ساتھ جتنی ہے
عزیزا اتنی نہ ہوگی مذہب زردشت میں آتش

اب شغل نیا ہاتھ لگا ہے یہ بتاں کے
دن نکلے اٹھا دویں ہمیں رات بنا دیں

مجھے بمعنی مجھ سے:

وہ خوں گرفتہ کہنے لگا راہ میں مجھے   لے چل خدا کے واسطے جلاد کی طرف

رونا بجائے رونے سے:

بھلا رونا تو میں مکرا کہوں کیا گر کوئی پوچھے
ہوئی تر آستیں کس طرح کیوں نم ہاتھ لگتے ہیں

بیاؔن تذکرہ نگاروں کی نظر میں

قدرت اللہ قاسم : مجموعہ نغز

بیاؔن تخلص خواجہ احسن اللہ خاں سلمہ الرحمن است ۔ و ے دراصل از خطۂ دلپذیرِ کشمیر و شاگردِ رشید سخن سنج ہنر گستر مرزا جانجاناں مظہر علیہ الرحمۃ و الغفران و مریدِ سعید قدوۃ العارفین مولانا محمد فخر الدین اسکنہ اللہ بجبوحتہ الجناں است در آخرہا قدرے تحصیل علم حرف و نحو ہم نمودہ و بہ خاکِ پائے طلبائے جہاں اعنی قاسم ہیچمداں سراپا نقصان تکرار سبقِ خود بیشتر بلکہ بلا ناغہ می فرمود و ملخص سخن خواجہ احسن الدین خاں بیاؔن شاعر فصیح اللسان سخن سنج بلیغ اللسان است۔ در مثنوی خود مسمی بہ جنگ نامہ دادِ شاعری دادہ ہمیشہ بعمدگی و خوبی ایّام بسر کردہ از چندے بہ حیدر آباد در سرکار ناظم ال بلاد ملازم بود مدتے است کہ از احوال خیرش اطلاع نیست بہر جا کہ باشد خداش خوش دارد ایں بست و دو بیت از نتائج طبع اوست۔

نمونۂ کلام میں۔ ۲۰ اشعار

سروؔر، عمدۂ منتخبہ

(ص ۴۴) بیاؔن تخلص خواجہ احسن الدین خاں شاگرد حضرت میرزا جان جاناں مظہر رحمۃ اللہ علیہ اصلش از کشمیر و مولد شاہجہاں آباد۔ جناب مخدومی حضرت مولوی فخرالدین صاحب قدس اللہ سرہ از چندے (ص ۱۴۵) بہ طرف حیدر آباد رفتہ در سرکار نواب نظام علی خاں مرحوم در ریختہ گوی مشاق و خوش فکر ست و مربوط گو و صحیح البیان۔

(مختصر نمونۂ کلام)

تذکرۂ شوؔرش: مرتبہ کلیم الدین احمد

بیاؔن دادرسِ دردمنداں خواجہ احسن اللہ بیاؔن زادگاہش اکبر آباد و طبعش مانی ایجاد خوبصورت و سیرت و یکتا در فہم و کیاست مشقِ سخن از حضرتِ مظہر می نماید۔ چنانچہ می گوید:

نمونۂ کلام ۱۳ اشعار

سری رام: خمخانۂ جاوید (اوّل)

بیاؔن۔ خواجہ احسن اللہ۔ ان کا اصل وطن کشمیر تھا مگر یہ

خود دہلی میں پیدا ہوئے اور یہیں کے کہلائے۔ حسنِ صورت و سیرت دونوں سے کافی بہرہ پایا تھا۔ فن سخن میں مرزا مظہر جانجاناں کے شاگرد اور مسلک طریقت میں مولانا فخرالدین سے بیعت تھے ۱۸۰۰ء میں سرکار نواب نظام علی خاں نظام الملک والیِ حیدر آباد دکن کے ملازم تھے اور بڑے اعزاز سے رہتے تھے اصولِ فن شاعری سے باخبر اور بڑے خوش کلام تیز طبع، مشّاق، سخن سنج و سخنور تھے کلام میں نمکینی و رنگینی غضب کی ہے تمام کلام میں دور از قیاس استعارات اور پیچیدہ بندشوں سے کام نہیں لیا۔ جو کچھ کہا ہے صاف ستھری زبان میں کہا ہے اور لطف یہ ہے کہ سادگی میں (ص ۶۱۸) میں بھی وہ آن بان نکالی ہے کہ کیا کہیے۔ حق تو یہ ہے کہ سیدھی سادی زبان میں مضامین کا پایا گرنے نہ پانا خالی از کمال نہیں ہوسکتا۔ بعض بعض جگہ تو ان کے کلام میں میرؔ اور دردؔ کے کلام کا رنگ دکھائی دے جاتا ہے۔ گو ان کے کلام کی شہرت کماحقہ نہیں ہوئی لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ اردو زبان کے پودے کو سینچنے والے ضرور اس کی داد دیں گے۔ رباعیات میں خصوصیت کے ساتھ ایک اندازِ دلکشی پیدا کیا ہے۔ قصیدے بھی لکھے ہیں اور گو صرف دو ہی لکھے ہیں لیکن دکھادیا ہے کہ اس میدان میں بھی بیان کا توسنِ فکرِ رسا جیسی چاہے جولانی دکھا سکتا ہے آخرش بڑی عمر پاکر حیدر آباد دکن میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد رائے گلاب چند نے تاریخ کہی ہے:

استاد جہاں رفت
۱۲۱۳

معاملہ بندی کے ساتھ اخلاقی مضامین بھی عجیب نفاست سے نظم کیے ہیں

ان کا قلمی دیوان راقم کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس کا انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

انتخاب ½ ۵ صفحات

تذکرہ عشقی : مرتبہ کلیم الدین احمد (دو تذکرے)

بیآن تخلص - دہلوی، اسمش خواجہ احسن اللہ از شاگردان مرزا مظہر، مردے خوش فکر و فصیح بیاں بود و در شیوہ شیریں بیانی وزباندانی دادِ فصاحت می داد۔ جمیع ریختہ گویاں معاصر اورا بہ غزل سرائی مسلم دارند و رباعیات اورا مطبوع پندارند۔ از وست

انتخاب : ۵ اشعار

سید فتح علی گردیزی : تذکرہ ریختہ گویان

خواجہ احسن اللہ بیآن بحسنِ صورت و سیرت محلی است و بفہم و فراست مجلی۔ زادگاہش اکبرآباد است و طبعش معنی ایجاد۔ مشقِ سخن از میرزا مظہر می کند چنانچہ گوید:

نمونۂ کلام : ۱۸ اشعار۔ اختلاف نسخ دیکھو

(صفحات ۲۷ تا ۲۹)

مبتلا لکھنوی : گلشن سخن (مرتبہ مسعود حسین رضوی)

بیآن اسمش احسن اللہ شاگرد مرزا مظہر مولدش اکبرآباد و مسکنش دہلی است۔ مرد عاشق پیشہ و کلامش پر شور ---

از وست :-

نمونۂ کلام : ۲۳ اشعار۔ اختلاف نہیں

(صفحات ۶۸ ، ۶۹)

مصحفی : تذکرۂ ہندی

بیآن کہ خواجہ احسن الدین خاں نام دارد، شاگردِ مرزا مظہر۔ دستِ بیعت بہ مولوی فخرالدین صاحب نور اللہ مضجعہ دادہ شاعر مربوط گو وصاحب زبان است مدتے گزشتہ کہ بہ طرف حیدر آباد دکن رفتہ گویند کہ در سرکار نظام علی خاں عز و امتیاز دارد۔ فقیر ہنوز اورا ندیدہ۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ انتخاب دیوان اوست :

انتخاب : ۴ صفحات

(صفحات ۳۶ تا ۴۰)

احد علی یکتا : دستور الفصاحت (مرتبہ امتیاز علی عرشی)

ہفتم از طبقۂ ثانی ، شاعر متین و مربوط ، کہ کلامش نہایت مقبول و مضبوط، خواجہ احسن الدین خاں بیآن است۔ ہر شعرش گویا آئینۂ آب است با آب و تاب و دیوانش از اول تا آخر ہمہ انتخاب ۔ اگر بہ تامل نگاہ کردہ آید، بندش و تالیفِ او کم از ہیچ استادے نیست ۔ می گویند کہ تا حال زندہ است۔ بہ طرف دکھن در سرکار نظام علی خاں عز و اعتبارے دارد۔

این چند شعر از دست

۱۱ اشعار (ص۔ ۸۲ تا ۸۴)

شاہ محمد حمزہ : فص الکلمات

(ورق ۱۴۸ الف) خواجہ احسن اللہ بیان در سنہ یک ہزار و یک صد و ہشتاد و چار ہجری ہمراہ نواب وزیر غازی الدین خاں بہ فقیر خانہ (در مارہرہ) رسیدہ بود۔ بحسن صورت و سیرت محلی و بہ فہم و فراست محلی۔ زادگاہش اکبر آباد است و طبعش معنی ایجاد، مشقِ سخن از میرزا مظہر می کرد۔ چند شعر بدستِ خود بر حاشیہ کتاب نوشتہ۔

حیرت : مقالات الشعرا

(۱۴ ب) خواجہ احسن خاں بیان، مجمع خوبی ہائے بے شمار است و معدن مکارم ہزاراں ہزار۔ اگرچہ مولدش اکبر آباد است۔ اما از مدتے در شاہجہاں آباد توطن گزیدہ، برائے صاحبِ خداوند خیلے اتحاد و ارتباط دارد و ہنگامے کہ ایں ذلہ ربائی مائدہ ارباب سخن بمقتضائے قسمت آب و دانہ وارد شاہجہاں آباد بود، تفقد آں بزرگ منش زیادہ از آنچہ کہ متصور شود بحالِ خود مشاہدہ می نمود۔ حسنِ خلق و وفور مروت با علوی ادراک و رسائی طبیعت در طینت او جمع است۔

شوقؔ رامپوری : تکملۃ الشعرا

(۶۳ ب) احسن الدین خاں بیاںؔ تخلص، صاحب ذہن سلیم و طبع مستقیم تا عہد عالمگیر ثانی در شاہجہاں آباد اقامت داشت ـ باز معلوم نہ شد کہ کجا رفت ـ

مبتلاؔ : گلشنِ سخن

(۱۳ ا) بیاںؔ ـ اسمش احسن اللہ، شاگرد مرزا مظہر، مولدش اکبرآباد مسکنش دہلی است، مرد عاشق پیشہ و کلامش پرشور ـ

عاشقیؔ : نشترِ عشق

(۱۰۲ ا) بیاںؔ، نام وے احسن اللہ بود ـ ایں ابیات ازوست ـ

میر حسن : تذکرہ شعرائے اُردو

(ص ۲۶) بیاںؔ : میاں بیاںؔ، شاعرِ عذب البیان از خوش گویانِ زماں، خواجہ احسن اللہ المتخلص بہ بیاںؔ از تلامذۂ میرزا مظہر جانِ جاناں ـ مولدش شاہ جہاں آباد الحال معلوم نیست کہ کجاست ـ تج نامہ از و مشہورست ـ

بسیار خوب گفتہ رباعیات دل پذیر دارد ۔ کلامش چوں تبسم گل رخاں نمکیں و بیانش چوں قند دلبراں شیریں ۔ بندہ از فکرِ او بسیار محظوظ است ہرجا کہ باشد سلامت باشد ازو ست۔

انتخاب ۲۷ تا ۳۰

فرہنگِ الفاظ

آبنوس : ایک درخت جس کی لکڑی سیاہ، وزنی اور مضبوط ہوتی ہے۔

اِبا : انکار

ابلقا۔ ابلقہ : سیاہ پر اور سفید پوٹے کا ایک خوش آواز پرند۔

احضار : حاضر کرنا

ارجعی (ع) لوٹ تو

الاغ : گھوڑا

انفطار : توڑنا

انگور : کھرنڈ

باجنا : مشہور ہونا

باشہ : ایک شکاری پرند

باشیں : عقاب

بُرد : جب شطرنج میں کوئی مہرہ بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا تو وہ بازی برد کہلاتی ہے۔ اس کا مطلب آدھی مات ہے

پشواز :

پشواس :

پدڑی : ایک چھوٹا پرندہ۔

پلشہ :

پنچال :

پنگھوڑا (پنگورا) جھولا، پالنا

پھٹکی : چڑی مار کا پنجرہ

پپیک : کویل

تزویر : جھوٹ

ترّدر : درخت اور ایک پرند

ترمتی : باز اور شکرے کی طرح کا ایک پرند (ترکی میں ترمتا تھا۔ آصفیہ۔ اول ۹، ۴۷)

تلیسر :

تھونی :

ٹونٹر :

ٹھانس : کھانسی

ٹھری :

جرّہ : ایک پرند

جناغ :

چپک :

حبنّق (ہونّق) بے وقوف ، احمق

حضّار : حاضرین

دغدغہ:

دوکھنا (دوشنا) الزام دینا

دھوتی:

دھیر:

ڈانک: نگینے کے نیچے سنہری اور وپہلی ورق لگاتے ہیں تاکہ چمک میں اضافہ ہو۔

ڈاک لگنا: متواتر تے ہونا

ڈبرا: نم زمین

ڈبری: منافع کی تقسیم

ڈھابا: اولتی، باورچی کی دوکان

زوالا:

ساہت:

سان پر آنا: دھار رکھی جانا

سروہی: ایک قسم کی تلوار

سنکر:

سوسمار: ایک صحرائی جانور، گوہ

شارو: ایک پالتو پرندہ

شلک: بندوقوں یا توپوں کی باڑھ

قِدم: ہمیشگی، خدائے تعالیٰ کی ایک صفت

قرقرے:

قوت: خوراک، رزق

قوش: پرند، شکاری پرند، باز وغیرہ

قوشچی:

قوش خانہ: چڑیا گھر

گر: شرط اور ضد

کلنگ:

کوہی، کُہی: ایک پرند

گہنا (گرہن کرنا، پکڑنا، گرفت میں لینا

لافتیٰ الاعلیٰ لاسیف الاذوالفقار

لِوا: علم، جھنڈا

لُوا: ایک قسم کی بٹیر

مُسیر: سیر کرنے والا

منزّہ: پاک

من مانتی: حسب دلخواہ، جتنا دل چاہے۔

من ہرن: دل چرانے والا یعنی معشوق

مہوس: کیمیاگر

ناٹ: ستون، شہتیر

نپٹ: بالکل، بہت

نرا: صرف

نرد: مات

نوانا: جھکانا

وجوب: لازم

وَرد: گل سرخ، گلاب کا پھول

ہاٹ: بازار، دکان

ہل اتا:

ا

۱

کیا کیجے بیاں اس کے وجوب اور قدم کا — طاقت نہ زباں کی ہے، نہ مقدور قلم کا

آداب رہِ نعتِ پیمبر نہ ادا ہوں — لوں خامہ صفت سر سے اگر کام قدم کا

کیا مدح کروں آل اور اصحاب کی اس کے — یہ مرتبہ کب ہے مری تحریر و رقم کا

بندے سے ثنا حضرتِ استاد کی کب ہو! — مظہر ہے خداوند کی وہ شانِ اتم کا

سنتا ہے بیاںؔ! عذر ترے سب ہیں یہ مسموع

کیا مدح کرے جس کو سلیقہ نہیں ذم کا؟

۲

گزر وہ پنجۂ خورشید اگر ایدھر کبھو کرتا — تری بھی جیب کو، ناصح! کوئی ناصح رفو کرتا

مجالِ حرف وہ آئینہ رو مجھ کو اگر دیتا — تو رہتیں طوطیاں خاموش، ایسی گفتگو کرتا

بہانا دل نے شورش کا بنایا اس کی محفل میں — جو ٹک مے کی مدد ہوتی قیامت ہائے و ہو کرتا

قیامت تک طہارت میں شکست آتی نہ اے زاہد! — اگر چشموں کے اس آبِ رواں سے تو وضو کرتا

اگر پیرِ مغاں کے ہاتھ لگتی خاک مستوں کی — تو از بس قدرداں تھا، خُم بناتا یا سبو کرتا

جفا اک لمحہ جو کرتا نہیں ہے وہ تو مرتا ہوں　　ستم ہوتا اگر الطاف سے میں اس کے خو کرتا

بیاںؔ محفل بہ محفل ڈھونڈتا تھا جس کو کاش! اس کی
میں اپنے دل کی خلوت گاہ ہی میں جستجو کرتا

۳

بس عیادت کو اس کا آنا تھا　　گویا آزار یاں بہانا تھا
پر جلے آگئے تیرے اُڑتے ہوئے　　عرش پر جس کا آشیانا تھا
میں نے جس دن کہ دل دیا تجھ کو　　آہ ظالم! تجھے نہ جانا تھا
کبھو میری زباں پہ تھا مجنوں　ق　کبھو فرہاد کا فسانا تھا
نام اوروں کا لے کے، در پردہ　　حال اپنا اسے سنانا تھا
آج اک حرفِ آرزو مجھ سے　　بعد مدت کے اُن نے مانا تھا
آفت آوے اِن آشناؤں پر　　کیا اسی وقت اِن کو آنا تھا!
در تو کھولا نہ پاسبان نے رات　　سر تھا اور اُس کا آستانا تھا

اب نبا ہے ہی شرم عشق بنے
یا زباں پر بیاںؔ نہ لانا تھا

۴

بیاںؔ تیرے کوچے سے چلتا رہے گا　　مری جان! تو ہاتھ ملتا رہے گا
نہیں اشک آنکھوں میں تھمتا، کہاں تک　　یہ لڑکا پنگھوڑے میں پلتا رہے گا
ہمارا ہے سینہ کہ آتش کدہ ہے!　　الٰہی کہاں تک یہ جلتا رہے گا
یہ ہے چشم یا کوئی زاینده چشمہ　　کہ دریا جہاں سے اُبلتا رہے گا
گریں گے نہ کیونکر ان آنکھوں سے موتی　　یہی دُر اگر تو اُگلتا رہے گا
بیاںؔ کیا کہوں ترک نازی میں اس کی　ق　ادھر جب نلک تو سنبھلتا رہے گا

کہ نیزے سے آکر نگہ کے وہ قاتل
ادھر دل پروے کے چلتا رہے گا

۵

میں ہی بلاکشی سے نہ مجبور ہوگیا — وہ بھی جفا کے کرنے میں معذور ہوگیا

کیا محتسب نے میکدہ ویراں کیا ہے آج؟ — میری بغل میں شیشۂ دل چور ہوگیا

مستی کو چھوڑ جن نے کیا زہد اختیار — گویا وہ مے کے قطرے سے انگور ہوگیا

نکلا ہے عجز مجھ سے، مرے یار سے غرور — اب ملکِ عشق و حسن میں دستور ہوگیا

دیکھا، نہ لی خبر مرے مرہم گزار نے — آخر یہ زخم سینے کا ناسور ہوگیا

سایے سے بھی زیادہ کبھو مجھ سے پاس تھا — اب آفتاب سے بھی بہت دور ہوگیا

سرمہ سیاہ بخت پسا مفت میں بیاںؔ
کاجل بتوں کی آنکھوں میں منظور ہوگیا

۶

سینے میں دل فگار کیا ہم نے، کیا کیا — صیدِ حرم شکار کیا ہم نے، کیا کیا

ہر چند تھا یقین کہ آنے کا وہ نہیں — اس پر بھی انتظار کیا ہم نے، کیا کیا

آئے تھے اس جہان میں جس کام کے لیے — سو وہ نہ ایک بار کیا ہم نے، کیا کیا

ہو ایک بھی سلوک اُدھر سے تو ہے بہت — ایدھر اگر ہزار کیا ہم نے، کیا کیا

اظہارِ عشق کر کے ہم اپنے تئیں کو آپ — آنکھوں میں اس کی خوار کیا ہم نے، کیا کیا

وہ مُنہ کو دیکھ اور بھی مغرور ہوگیا — کیوں آئنہ دو چار کیا ہم نے، کیا کیا

ذلّت سوائے فائدہ دیکھا نہ کچھ بیاںؔ
کیوں عشق اختیار کیا ہم نے کیا کیا

۷

عالم کو لعل و گوہر و تاج و لوا دیا — اے آسماں! بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

ایسے ہی بخت میرے جو ماتے تھے نیند کے — خوابِ عدم سے کاہےکو مجھ کو جگا دیا

پیری کا جیب چاک ہو، اے کاش! مثلِ صبح
ان نے مرے چراغ کو دل کے بجھا دیا
آتا تھا کچھ ہمیں بھی کبھو شعر یا سخن
اب تو کسو کی یاد نے سب کچھ بھلا دیا
اس کا ادائے شکر بیاںؔ کیونکر کر سکے
جن نے اٹھا کے خاک سے انساں بنا دیا

۸

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش ہم سے یار تھا!
در کے باہر مدعی جوں صورتِ دیوار تھا
میں ترے قرباں ہوں، اے قاتل! اِنپٹ احساں کیا
ایک مدت سے مرا سر دوشِ تن پر بار تھا
اس تجاہل پر میں اس کے ریجھتا ہوں، حشر تک
وہ کہ جس کی چشم کا بھر عمر میں بیمار تھا
میری بیماری سے بھی گویا خبر اس کو نہ تھی
پوچھتا ہے آج تک لوگوں سے "کیا آزار تھا؟"
میرے گل رو کی فقط بلبل ہی کچھ شیدا نہیں
دیکھتے ہی گل بھی اس کا مُنہ، گلے کا ہار تھا
عشق نے ذلت پہ دیوانہ سا دل کو کر دیا
یہ عزیزِ بے تمیز آگے نہ اتنا خوار تھا
ہو گیا تو اس قدر مجبور، الفت میں بیاںؔ!
ایک دن وہ تھا کہ اپنے دل پہ تو مختار تھا

۹

کوئی کسی کا کہیں آشنا نہیں دیکھا
سوائے اس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا؟
یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو
انھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا؟
بھلائی کیا دلِ کافر نے بت میں پائی ہے؟
جہاں میں کوئی میں اتنا برا نہیں دیکھا
کچھ اس جہاں میں نہ دیکھیں گے کیونکہ اندھے ہیں
اسی جہاں میں جنھوں نے خدا نہیں دیکھا
بہ رنگِ سایہ و خورشید، اے بیاںؔ میں نے
کبھو رقیب سے اس کو جدا نہیں دیکھا

۱۰

کب تلک اس کی شکایت ہو نہ لب سے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آش

سبزۂ بیگانہ آنکھوں میں نظر آتا ہے گُل
اُس بہارِ باغِ خوبی کا ہوں جب سے آش

دن کو بھی رہتا ہے مجھ کو اب تصوّر رات کا
بس کہ ہیں یہ دیدۂ بیدار شب سے آش

غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو یکبارگی
دیکھ تو، اے شوخ! میں تیرا ہوں کب سے آش

کیوں لگا دیتا ہے سرگوشی میں اس کے مُنہ سے مُنہ
اے بیاںؔ! ہو گا کبھو بھی تو ادب سے آشنا؟

۱۱

یہ گریہ آستیں میں کب، ہم نشیں! سماتا
داماں دشت میں بھی جو اب نہیں سماتا

وحشت سے مجھ پہ عرصہ ہے تنگ، ورنہ میں بھی
تھے اتنے کوہ و صحرا، آخر کہیں سماتا

آسودگی یقینی گر بعدِ مرگ ہوتی
میں جیتے جی ہی اپنے زیرِ زمیں سماتا

تشبیہ جب سے دی ہے تیرے بدن سے میں نے
گُل، پیرہن میں اپنے پھولا نہیں سماتا

شکوے کو تیرے جاگہ دل میں کہاں بیاںؔ کے؟
اک جا کہیں سُنا ہے مہر اور کیں سماتا؟

۱۲

میں تو آنکھوں کو ہی رونا تھا کہ راز افشا کیا
اس دلِ نالاں نے لیکن قہر ہی غوغا کیا

نقدِ دل اپنے کو دے کر لی اذیّت عشق نے
ہائے دیوانے! یہ کیا سودا ہے تو نے کیا کیا؟

اک جگہ سی تھی جو اس کوچے میں جاگہ تھی ہمیں
جن نے بے جا کر دیا واں سے بہت بےجا کیا

کل تو جوں توں صبح کی امید پہ کاٹی تھی رات
آج پھر اس حیلہ جو نے وعدۂ فردا کیا

کیا چلے تھے رازِ دل کہنے کو لوگوں میں بیاںؔ
آپ بھی مطعوں ہوئے اور اس کو بھی رسوا کیا

۱۳

اُن نے اک حرفِ مہر سر نہ کیا | عجز نے میرے کچھ اثر نہ کیا
آئے اب نعش پر مری تو کیا | حیف ٹک قصد پیشتر نہ کیا
دے گیا جب سے یار پیٹھ اسے | دل نے پھر مُنہ کبھو اُدھر نہ کیا
مت سمجھ بے حواس، اے ہمدم! | شکوۂ ہجر میں جو سر نہ کیا
ایک دم وصل، اس میں بھی رنجش | میں نے یہ ذکرِ جان کر نہ کیا
گو کہ خسرو نے سو بنائے قصر | دل میں شیریں کے ایک گھر نہ کیا

کیا غبار اس کے دل میں تھا کہ بیاںؔ
خاک پر بھی مری گزر نہ کیا

۱۴

سب کچھ، بیاںؔ سے، تب ہم جانیں گے ہو سکے گا | جب ہاتھ کو وہ اپنے دنیا سے دھو سکے گا
جس دل کو فرشِ گل پر آرام تھا نہ اک دم | بستر پہ خار و خس کے وہ کیونکہ سو سکے گا
بہ جائے خون ہو کر گو دل تری جفا سے | مجھ سے تو، یار! شکوہ تیرا نہ ہو سکے گا
اس راہِ عاشقی میں چلنا اُسے روا ہے | سر اوّل قدم پر جو شخص کھو سکے گا

تقلید کر بیاںؔ کی رویا تو بو الہوس بھی
پر لختِ دل مژہ میں کیوں کر پرو سکے گا

۱۵

دل! نہیں عاشق تو ٹھنڈی سانس یہ بھرنا ہے کیا؟ | مُنہ کو اس کے دیکھنا اور چشم تر کرنا ہے کیا؟
وصل اپنی زندگی اور ہجر اپنا مرگ ہے | ہم نہیں واقف کہ جینا کیا ہے اور مرنا ہے کیا
من ہرن میرے، بھلا رمنا تو مجھ سے اس قدر! | مزرعِ دل میں مرے یہ آن کر چرنا ہے کیا؟
رو دیئے دل کھول کر شاید کہ رحم آوے اُسے | جب ہوئے عاشق تو رسوائی سے پھر ڈرنا ہے کیا؟

گر حواسوں میں بیاںؔ تیرے خلل آیا نہیں
سر کو یہ ہر وقت اس کے پانو پر دھرنا ہے کیا؟

۱۶

تیرا ستم جو مجھ سے گدا نے سہا سہا — تو بادشاہ ہے جو مجھے تو نے کہا کہا
دامن ترے سے لگ لوں، اگر دے رضا مجھے — یہ ناتواں غبار اگر یاں رہا رہا
رکھ آستیں شتاب مری چشم تر پہ، جاں! — ورنہ پھرے ہے سیل میں عالم بہا بہا
نکلے ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ — رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہا نہا

اب جی کے ڈر سے اس کو بیاںؔ تو نہ چھوڑ دیو
ہیں مردوے کہ باہنہ کو جس کی گہا گہا

۱۷

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا — گردِ غم دل سے دھو نہیں سکتا
اشک یوں تھم رہے ہیں مژگاں پر — کوئی موتی پرو نہیں سکتا
شب مرا شورِ گریہ سن کے کہا — "میں تو اس غل میں سو نہیں سکتا"
کچھ بیاںؔ تخم دوستی کے سوا — ق — مزرعِ دل میں بو نہیں سکتا

مصلحت ترکِ عشق ہے، ناصح!
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

۱۸

باک کیا شیشۂ دل گر ٹوٹا — پر، مری جان! یہ کیونکر ٹوٹا؟
دل شکستہ ہوں مری ہو کیا قدر — کام آتا نہیں گوہر ٹوٹا
قاتل ایدھر خجل اُدھر مقتول — ذبح کرتے ہوئے خنجر ٹوٹا
شہرِ دل پر نہیں یہ آمدِ عشق — شاہ کا آن کے لشکر ٹوٹا

طاقت و صبر نے دی طرح بیاںؔ
دلِ بے تاب کا لشکر ٹوٹا

۱۹

آتے دیکھا اس کو پھر واقف نہیں دل کیا ہوا
کچھ نہ سمجھا میں کہ ہوتے ہی مقابل کیا ہوا

ذبح کر وہ تو گیا، یاں کشتۂ تیغِ نگاہ
اب تلک فریاد کرتے ہیں کہ "قاتل کیا ہوا؟"

لیلیٰ آتی ڈھونڈتی، اے قیس! تب کچھ لطف تھا
بھول کر آیا اگر وادی میں محمل، کیا ہوا؟

کعبۂ مقصود پہنچا ہے مگر نزدیک آج
طے نہیں کچھ مجھ سے ہو سکتی ہے منزل، کیا ہوا؟

کس توقع پر بیاںؔ یہ کھینچتا ہے رنجِ عشق؟
کوئی یہ پوچھے کہ اب تک اس میں کیا حاصل ہوا؟

۲۰

لے کے دل اس شوخ نے اک داغ سینے پر دیا
جو لیا اس کا عوض اس نے مجھے بہتر دیا

دور تجھ سے ساغرِ مے پر نظر میں نے جو کی
کاسہ اپنا چشم نے خونناب دل سے بھر دیا

جو سلوک اب دل میں آویں کر، مجھے تقدیر نے
دست و بازو باندھ کر تیرے حوالے کر دیا

دلبروں کے شہر میں بیگانگی؟ اندھیر ہے!
آشنائی ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں، لے کر دیا

بعضے ہی اوقات راحت ہم کو دی ہے چرخ نے
رنج و غم ہی اس ستم گر نے بیاںؔ اکثر دیا

۲۱

ہم کو فلک نے سہو سے ٹک چین اگر دیا
تو یاد کر کے پھر وہیں دکھ بیشتر دیا

کچھ عاشقوں کو خوف نہیں روزِ حشر کا
خالق نے اُن کو دل کے بھی بدلے جگر دیا

دو مُنہ کھلے انار ہیں اب چشمِ خوں فشاں
آخر یہ دوستی نے تمھاری ثمر دیا

دیکھیں گے تیری سنگ دلی ہے کہاں تلک
نالے میں گر ہمارے خدا نے اثر دیا

ہر چند تیرے عشق میں رسوا ہوا بیاںؔ
لیکن تجھے تو شہرۂ آفاق کر دیا

سمجھے کہ ہجر ہی میں ہے اوقات کاٹنا — دن رات، اب ہمیں ہے مساوات، کاٹنا

جس روسیہ نے ہم کو شبِ تیرہ کی نصیب — ناگن ہو کالی اس کو بھی، اے رات! کاٹنا

تو نے کیا مرے شجرِ دوستی کو قطع — اے بے حیا رقیب! ترے ہات کاٹنا

کیسا ہوا تھا کیا کہوں سرسبز یہ نہال! — ایسے ہرے درخت کو، بدذات کاٹنا

تنہا تو میری بات کو تحسین و آفریں — مجلس میں جب کہیں ہو ملاقات، کاٹنا

میں، تو سہی کہ سر ہی ترا کاٹوں، اے رقیب! — تو اس کے آگے پھر بھی مری بات کاٹنا

ساقی! سبو کو دیکھ کے ٹک جام دے ہمیں — سارا ہے اس پہ موسمِ برسات کاٹنا

کہیے سخن کو غور سے، اے طبعِ جوشگاف! — یہ گھاس کھودنا نہیں یا پات کاٹنا

حاجت کو اپنی کس سے کہے جا کر اب، بیاںؔ؟
تو درد و دکھ کو قاضیِ حاجات کاٹنا

ہمدم! نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا — جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا

آتا ہے تجھ کو ننگ مرے نام سے عبث — اے شوخ! اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

رونے سے گر میسّر روزِ وصال ہوتا — تو صبحِ حشر تک میں اس آرزو میں روتا

آ کر جو نہیں قاصد نے لیا نام کسی کا — اس بات کے سنتے ہی ہوا کام کسی کا

کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے؟ — پہنچا ہے مگر، دل! تجھے پیغام کسی کا

دل تھا کہاں کہ میں نے کسی کو بیاں دیا — بالفرض اگر دیا تو کہاں رائگاں دیا

میں ہی اس بت کا فقط کلمہ نہیں بھرتا، بیاںؔ — جن نے اس کافر کو دیکھا ہے مسلماں ہو گیا

قفس میں میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا
پھڑکتا ہوں، تڑپتا ہوں، کوئی پروا نہیں کرتا

سیرت کے ہم غلام ہیں، صورت ہوئی تو کیا؟
سُرخ و سفید مائی کی مورت ہوئی تو کیا؟

ٹک پوچھیو بیاں سے کہ تیں کام کیا کیا؟
پھر آج کا بھی روز کیا شام، کیا کیا؟

خونبہا قتل سے پہلے مجھے قاتل نے دیا
گوشۂ چشم سے ہٹک داب کے لب دیکھ لیا

مذکور جب آیا رخصت کا دل سن کر تو من مار رہا
پر آنکھوں نے طوفان کیا وہ پار ہوا، میں وار رہا

گل کی حسرت کا مرے دل میں سدا خار رہا
میں تو بھر عمر قفس ہی میں گرفتار رہا

ب

۲۳

ہر چند ہو سخن پر میرے ہزار 'کیا خوب!'
کیا لطف ہے کہ جب تک بولے نہ یار 'کیا خوب!'

جو دیکھتا ہے اس کے رخسارِ باصفا کو
نکلے ہے اس کے مُنہ سے بے اختیار 'کیا خوب!'

تا صبحِ حشر ہووے جس کی نہ شامِ وعدہ
آنے کا اس کے مجھ کو ہے اختیار؟ کیا خوب!

تھی میری بے اجازت جن کو نہ باریابی
ہیں اب ترے مصاحب وے نابکار 'کیا خوب!'

وہ بات جب کہے ہے محفل میں، بِن سنے ہی
کہتا ہوں دور بیٹھا میں بار بار 'کیا خوب!'

۲۴

یار نے جب سے اٹھایا اپنے چہرے سے نقاب
طعن کرنے سے مرے ناصح کو آتا ہے حجاب

کل تو آوے گا ہی آخر غرّۂ ماہِ صیام
آج تو پی لیجیے من مانتی، ساقی! شراب

میں زمیں کی طرح ساکن، وصل ہے اس کا محال
رات دن پھرتا ہی رہتا ہے مرا گردوں جناب

یہ وحسابِ دوستاں دردل، مثل مشہور ہے
ہیں عجب وے دوست جو دل میں بھی کرتے ہیں حساب

خانماں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیاںؔ
اب یہی در ہے یہی گھر، خانۂ الفت خراب

۲۵

کیوں کہ عیسیٰ کا دہن، کہیے کہ، ہے جامِ شراب
جی سا آجاتا ہے جب سنتا ہوں میں نامِ شراب

پھنستے دیکھے اس میں ہم نے پارساؤں کے بھی پانو
ہے بچھا بے طرح کا یہ، اے مغاں! دامِ شراب

اپنی مخموری نے، اے واعظ! نصیحت کی مجھے
واقعی میں آج سمجھا بد ہے انجامِ شراب

رات یا دن شرب ہی کے وقت کیفیت ہے کچھ
ورنہ بد دیکھی ہے میں تو صبح اور شامِ شراب

مست اپنے کام میں ہشیار دیکھے ہیں بیاںؔ
ہاتھ سے دیتے نہیں اعزاز و اکرامِ شراب

۲۶

مرتا ہوں، غم گساری جواب نہیں، تو پھر کب؟
اے یار! مجھ سے یاری جواب نہیں تو پھر کب

کیا آگ لگ رہی ہے سینے میں، کس سے کہیے!
اے چشم! اشکباری جواب نہیں تو پھر کب

جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطفِ زندگانی
آتی اجل ہماری جواب نہیں تو پھر کب

برسے ہے ابرِ رحمت، ساقی! کدھر ہے مینا؟
ہنگامِ بادہ خواری جواب نہیں تو پھر کب

دل سا گہر تو میرا، گم اے بیاںؔ ہوا ہے
ہو مجھ کو بے قراری جواب نہیں تو پھر کب؟

۲۷

دل چاہتا ہے تو ہو بغل بیچ تنگ و خواب
بے خوابی کا عبث ہے گلہ یہ ترنگ و خواب

کچھ اور گر خیال کروں سنگسار کر
کافی ہے بس مجھے ترے کوچے کا سنگ وخواب

آنکھوں میں کاٹنی ہے جنھیں رات ہجر کی
شیر و پلنگ ہے انھیں گویا پلنگ وخواب

ہم رنگ باختوں کے فسانے کو جو سُنے
اڑ جائے چشم و چہرے سے اس کے بھی رنگ وخواب

اٹھ دوڑتا تھا خواب میں تیرے خیال پر
گزری تمام شب مجھے کرتے شلنگ وخواب

اب خواب میں بھی لے نہ سکوں نام صلح کا
یا تو تمام شب ہیں باہم تھی جنگ وخواب

فسّاق کا بھلا ہے نہ سونا نہ جاگنا
بیداری و شراب ہے افیون وبنگ وخولب

پھولوں کی سیج بِن جنھیں آرام ہی نہ تھا
کب ان کو گور میں ہے میسّر پلنگ وخواب

پھیلا نہ اتنے پاؤں بیاںؔ سر بہ جیب ہو
آخر ہے ایک روز یہی جلے تنگ وخواب

لگتا ہے، چشم بد دور، روئے نگار کیا خوب!
آغاز سی ہوئی ہے خط کی بہار کیا خوب!

ت

۲۸

مے سے معشوقی کی ہے یاں تک نگاہِ یار مست
آنکھ بھر دیکھے تو ہو جاوے در و دیوار مست

تو، تو ساقی! جام ترسا کر پلاتا ہے مجھے
اس کی دو آنکھوں نے مجھ کو کر دیا اک بار مست

کیا قیامت زہرِ قاتل ہے تری، ساقی! شراب
صبحِ محشر سے ورے ہوتے نہیں بیدار مست

سو جگہ لغزش کریں اور پائے خم ہی جا گریں
کام میں اپنے جو میں دیکھا تو ہیں ہشیار مست

کیا کہوں کیا کیا امنگیں دل میں آتی ہیں بیاںؔ!
جب نظر پڑتا ہے تنہا مجھ کو وہ مے خوار مست

ث

۲۹

پوچھتا کون ہے؟ ڈرتا ہے تو، اے یار! عبث
قتل کرنے سے مرے ہے تجھے انکار عبث

کیا مری آنکھ عدم پہنچ گئی تھی، اے چرخ!
کیا اس خواب سے تو نے مجھے بیدار عبث

وصل ہی اس کا دوا ہے مری بیماری کو
اور کچھ کرتے ہیں تدبیر یہ غم خوار عبث

یار تنہا ہے، پھر ایسا نہیں ملنے کا وقت
شرم ہوتی ہے مری مانعِ گفتار عبث

اور بھی ان نے بیاںؔ ظلم کچھ افزود کیا
کیا اس شوخ سے میں عشق کا اظہار عبث

ج

۳۰

کیا بے طرح ہوئی تری دوری میں شام آج
مرنے کے پھر نہیں، نہ ہوئے جو تمام آج

تو بزم سے اٹھا کہ ہوئی تلخ مے کشی
میں سچ کہوں شراب کو سمجھا حرام آج

خُم جس کے پاس ہے وہ فلاطوں سے کم نہیں
جمشید ہے وہ جس کو میسّر ہے جام آج

اس زلف پر ہو گر سرِ مُو دسترس مجھے
سمجھوں گا یہ کہ ہاتھ لگا روم و شام آج

کھویا میں جس کے عشق میں نام و نشاں بیاںؔ
اے وائے پوچھتا ہے وہ لوگوں سے نام آج!

۳۱

رو کے اس سے میں کہا "مرتا ہے یہ بیمار آج"
مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ "پھر اس کا علاج؟"

قید میں رکھتا ہے کیوں اس کو سلاطینوں کی طرح؟
کب دوانے نے، فلک! مانگا ہے تجھ سے تخت و تاج؟

دیکھیے کس طرح ہووے یک دگر صحبت برار
وہ قیامت سخت گو ہے، میں غضب نازک مزاج

ہم نے کفرستان میں بھی یہ ستم دیکھا نہیں
حسن کے کشور میں جو کچھ ظلم نے پایا رواج

یار میرا بادشاہِ ملکِ خوبی ہے بیاںؔ
جتنے خوش طلعت ہیں دنیا کے، اسے دیتے ہیں باج

چ

۳۲

مشتِ غبار میرے کو واں ہووے کیا پہنچ!
جس کی گلی میں رکھتی نہ ہووے صبا پہنچ

کہتا نہیں ہیں عرش پہ، اے آہ! جا پہنچ
کانوں تلک بتوں کے تو، اے نارسا! پہنچ

کیا پاس راہِ عشق سے ہے آستانِ حق!
ایدھر رکھا قدم کو ادھر گیا پہنچ

لاتی ہے یاس مرگ کے پیغام ہجر میں
تو، اے نویدِ وصل! شتابی سے جا پہنچ

بے طرح گھر گیا ہوں میں غم کے حصار میں
وقتِ مدد ہے، اے شہِ خیبر کشا! پہنچ

اے بے خبر! بیاںؔ کا برا حال آج ہے
جاتا ہے اس کے پاس تو جلدی سے جا پہنچ

ح

۳۳

گرچہ تسکیں دل کو دیتا ہوں کہ اب ہوتی ہے صبح
پر سمجھتا ہوں شبِ دوری کی کب ہوتی ہے صبح

کروٹیں لیتے ہی لیتے آہ پہلو تھک گئے
کوئی ہمسایوں سے پوچھے یہ بھی شب ہوتی ہے صبح

ان دنوں میں گرچہ یہ باتیں تو ہیں خواب و خیال
ہو بغل میں یار جس شب تو عجب ہوتی ہے صبح

شامِ غربت بھی بلا ہے پر نہ دکھلائے خدا	دل رُبا کے روزِ رخصت کی غضب ہوتی ہے صبح

ہجر کی شب کی سحر کا میں نہیں منکر بیاں
لیک پہنچا کر ہمارا جاں، بہ لب ہوتی ہے صبح

خ

۳۴

نہ فقط یار بن شراب ہے تلخ	عیش و آرام و خورد و خواب ہے تلخ
میٹھی باتیں کدھر گئیں؟ پیارے!	اب تو ہر بات کا جواب ہے تلخ
ساتھ دینا یہ بوسہ و دشنام	قندِ شیریں ہے اور گلاب ہے تلخ
دل ہی سمجھے ہے اس حلاوت کو	گو بظاہر ترا عتاب ہے تلخ

دل سے مستوں کے کوئی پوچھے بیاں
زاہدوں کو شرابِ ناب ہے تلخ

۳۵

ہزار حیف کہ گل چیں رکھے ہے پا گستاخ	یہ وہ چمن ہے کہ جس میں نہیں صبا گستاخ
وہ شوخ مجھ سے ہی تنہا نہیں ہوا گستاخ	ہمیشہ عشق کی خدمت میں حسن تھا گستاخ
کہاں یہ ہاتھ مرا اور کہاں وہ دامنِ پاک	تمھارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ
کبھو تو کبھو کفِ پا کو دیکھ کر اپنے	کہ چشم ان پہ رگڑتا ہے وہ مرا گستاخ

حضور میں بھی جتانے لگا کچھ اپنا عشق
بیاں کو آپ نے یاں تک تو کر دیا گستاخ

۳۶

یہ لبِ شیریں نہ ہو جاویں گے، اے گلفام! تلخ	اس قدر مجھ کو جو تو کہتا ہے صبح و شام تلخ

گر شہیدِ عشق کے مرنے کی لذت کا نشاں
خضر کو ملتا تو لگتا زندگی کا نام تلخ

جوں گوارا ہو گزک کے ساتھ مستوں کو شراب
ساتھ بوسے کے نہیں لگتی تری دشنام تلخ

اٹھ گیا جب یار، ہے بزمِ طرب اک غم کدہ
اس شکر لب بن ہمیں لگتا ہے مے کا جام تلخ

میں تو افسانہ سنا تھا خوابِ شیریں کے لیے
سو بیاںؔ تیرے تو قصے نے کیا آرام تلخ

د

۳۷

مری بساط یہ بہرِ نثار ہے موجود
دل شکستہ و جانِ نزار ہے موجود

جو سیرِ باغ کو جی چاہے، دیکھ آئینہ
کہ اپنے گھر ہی میں پیارے بہار ہے موجود

ہمارا ضعفِ بصارت ہے مانعِ دیدار
وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہے موجود

خدا کے واسطے مت کہیو پھر کہ مے کم ہے
کہ اس کے سنتے ہی ساقی خمار ہے موجود

چمن زمانے کا آنکھوں میں اب کھٹکتا ہے
کہ گل جہاں نظر آتا ہے خار ہے موجود

جہاں ہے مار، یہ لازم نہیں کہ ہو واں گنج
جہاں ہے گنج وہاں ایک مار ہے موجود

سبھوں نے چین لیا اپنے جس جگہ چاہا
مگر بیاںؔ ہی ترا بے قرار ہے موجود

ذ

۳۸

یہ آرزو ہے کہ وہ نامہ بر سے لے کاغذ
بلا سے پھاڑ کے پھر ہاتھ میں ملے کاغذ

وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھتا
قلم کے تن کو لگے آگ اور جلے کاغذ

تمام شہر میں تشہیر میرے بد خو نے | پیام بر کو کیا، باندھ کر گلے کاغذ
بہادوں ایسے کئی دفتر اشک کی رو میں | کیے ہیں جمع، ارے غافلو! بھلے کاغذ
پیام بر مجھے ایسا کوئی نہیں ملتا | کہ حیلہ جو سے مرے لے ہی کر ٹلے کاغذ

بیاںؔ کو ضعف ہے اتنا کہ بادِ تند کے زور
جو خط لکھے تو اسے لے کے اڑ چلے کاغذ

ر

۳۹

اس قدر تو ہے بھروسا مجھ کو اپنی آہ پر | نہ فلک لیجے اٹھا اک نالۂ جاں کاہ پر
دستِ قدرت نے تجھے ہر چند گردش میں رکھا | چرخِ کج رفتار تو بھی تو نہ آیا راہ پر
بت ترے پتھر ہی نکلے، قطع کی ہم نے امید | اب فقط اپنی توقع رہ گئی اللہ پر
جس قدر مجھ ناتواں کو کھینچتی ہے اس کی چاہ | یہ کشش میں نے نہ دیکھی کہربا کی، کاہ پر

عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آ سکتی نہیں
رحم آتا ہے بیاںؔ اب مجھ کو اپنی آہ پر

۴۰

آج تو کہہ دیکھتا ہوں اُس سے بارے اس قدر | "خوب رُو، عاشق کو دکھ دیتے ہیں، پیارے اس قدر؟"
بیٹھنے دیتا نہیں کوئی بساط اپنی پر اب | ہم قمارِ عشق میں، افسوس! ہارے اس قدر
تھا کسی کا کوئی دیوانہ سو اب ہے جاں بہ لب | اس کے کوچے میں کوئی جا کر پکارے اس قدر
عکس میرے دل کے داغوں کا ہے اس آئینے میں | آسماں لایا کہاں سے ورنہ تارے اس قدر

جانتا بھی اب نہیں کوئی بیاںؔ ہے یا نہیں
میں تری مجلس میں بیٹھا ہوں کنارے اس قدر

۴۱

فرہاد کس امید پہ لاتا ہے جوئے شیر؟ — واں خون کی ہوس ہے، نہیں آرزوئے شیر

ہے اُس جواں کی بات میں اب تو لہو کی باس — وے دن گئے کہ آتی تھی اس مُنہ سے بوئے شیر

ہوتے ہی صبح، آہ! گیا ماہِ چار دہ — روشن ہوا مجھے کہ نمک ہے عدوئے شیر

حسرت ہی دل میں کوہ کن آخر یہ لے گیا — شیریں نے اپنی آنکھوں بھی دیکھا نہ جوئے شیر

اس دودھ کا خدا کرے کاسہ ہمیں نصیب — جنّت میں، پنج تن کی جو بہتی ہے جوئے شیر

عاشق ہیں اپنے خونِ جگر خوار، زہر نوش — رغبت طرف شکر کی ہے ان کو نہ سوئے شیر

جن کو بغیر سعی وہ شیریں دہن ملے — کھودیں نہ کوہ وے، نہ کریں جستجوئے شیر

ملتے ہی اس کے، دل کی گرہ میرے کھل گئی — عقدے شکر کے جیسے کھُلیں روبروئے شیر

پھر دودھ کی بڑھاپے میں آوے نہ مُنہ سے باس
آخر کہاں تلک یہ بیاںؔ گفتگوئے شیر

۴۲

ذبح کر، پھینکتا ہے قاتل دُور — تا کہ دامن سے تڑپے بسمل دُور

حالِ غربت میں، دیکھیے کیا ہو — رہ خطرناک اور منزل دُور

گو کہ ہے یار تو بہ دل نزدیک — سیکڑوں کوس مجھ سے ہے دل دُور

جز خدا آشنا نہیں ہے کوئی — کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دُور

کیونکر اب پہنچیے، بیاںؔ، واں تک؟
آہ! جاتا رہا وہ محمل دُور

۴۳

اک بار فوجِ عشق پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر — لے گئی قرار و دین و دل و ہوش لوٹ کر

بینا اگر ہے دل کو تو لے بھی کہیں شتاب — سینے میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر

دیکھوں گا کس کی آنکھوں سے، اے چشم، روئے یار؟ — روتا ہے اس قدر بھی کوئی پھوٹ پھوٹ کر

ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی کہ مثلِ خار — پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

کیا اس زمیں میں زورِ طبیعت کروں بیاں!
مضمون اس کے لے گیا سجّادؔ لوٹ کر

۴۴

اول تو صاف مے پہ ساقی ہِلا ہِلا کر — دیتا ہے دردِ آخر سو بھی رُلا رُلا کر

میں پیار کی نگہ سے مرتا ہوں، مجھ کو ظالم — کرتا ہے قتل ناحق تیوری چڑھا چڑھا کر

اب ذکر اس کے لب کا آیا مری زباں پر — دل چاہتا ہے کیجے باتیں چبا چبا کر

"کب خواب میں ملے گا جو جاگتے نہ آیا" — کہتے ہیں بختِ خفتہ مجھ کو جگا جگا کر

آیا لبوں پہ جب جی، فریاد ہم نے تب کی — آزردہ اتنے پر بھی جو تو ہوا، ہوا کر

محفل میں اس کی جا کر اشعارِ عاشقانہ ق — پڑھتے تھے، قابلیت اپنی جتا جتا کر

وہ تند ہو یہ بولا "کوئی کہے بیاں سے
تو شعر مت پڑھا کر مجھ کو سنا سنا کر"

۴۵

یہی ہر لحظہ مجھ کو دل میں سوچ آتا ہے رہ رہ کر — کیا میں نے ہی بدخو اس کو اتنے جور سہ سہ کر

نہ تھا مغرور، تھا جب تک کہ غافل اپنی خوبی سے — بگاڑا ہے اسے یاروں نے مُنہ پر وصف کہہ کہہ کر

کبھو ہم تم بھی ہم آغوش یوں گلشن میں رہتے تھے — کھڑے ہیں تاک اب جس طرح باہم ہاتھ گہہ گہہ کر

جو عالی ظرف ہیں کب چاہ کو اپنی جتاتے ہیں — مگر کم حوصلہ بلبل نے ڈالا شور چہ چہ کر

ہزاروں آفریں قابل ہماری جاں فشانی ہے — نہیں جو داہ کی توفیق دل مت توڑ ڈہ ڈہ کر

مشابہ کبک کے میں نے کہا جب اس کو چلنے میں — ہنسا وہ شوخِ خوش رفتار یہ سنتے ہی ڈہ ڈہ کر

رسول اللہ کُل عالم کا بیڑا پار کرتے ہیں
بیاں سب کشتیاں اس گھاٹ آ لگتی ہیں بہ بہ کر

اے مسیحا! تو مجھے زندہ نہ کر
ان لبوں کے منہ سے شرمندہ نہ کر

حسن فوّارے کا کس خوبی سے ہے یہ آشکار
متصل ہوتے ہیں گویا غیب سے موتی نثار

ز

۴۶

مت ستا مجھ کو آن آن عزیز
ٹک کہا بھی کسی کا مان عزیز

کیونکہ دل اس سے پھیر لوں، ناصح!
جس سے رکھتا نہیں ہوں جان عزیز

یاں ہے خواہش خدنگ کی تیرے ق
نہ رکھے گو کہ واں کمان عزیز

دل ادھر کھینچتا ہے، سینہ اُدھر
سب کو ہوتا ہے میہمان عزیز

دل سے خادم ہوں میں بیاں ان کا
جتنے ہیں میرے مہربان عزیز

س

۴۷

صاف منہ پر میں نہیں کہتا کہ ہیگا اس کے پاس
ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہے میرا جس کے پاس

اس کی آنکھیں جب چمن میں یاد مجھ کو آ گئیں
بیٹھ کر میں زور ہی رویا گلِ نرگس کے پاس

ہے تو عزت پر اذیت بھی کچھ اس سے کم نہیں
جو کوئی محفل میں بیٹھے صاحبِ مجلس کے پاس

اپنی ہی بدطالعی مانع طلا ہونے کی ہے
ورنہ اک مدت سے ہے اکسیر میرے مس کے پاس

یار ہے اپنی بغل میں بلکہ کچھ اس سے قریب
ڈھونڈتا ہے مثلِ نابینا بیاں جس تس کے پاس

جواہری کی دکاں سے منگاؤں گا الماس
دکھاؤں گا ترے دانت اور چھپاؤں گا الماس

میں اپنے اشک کے ایسے بناؤں گا الماس
کہ چشمِ خلق میں آخر گراؤں گا الماس

ش

۴۸

کر آپ کو اس قدر فراموش
ہو یاد سے یادِ سر فراموش

آنکھوں میں بھرے ہیں قطرۂ اشک
خاطر سے ہوئے گہر فراموش

گو سب نے بھلا دیا ہے، اے یار!
پر تُو تو مجھے نہ کر فراموش

کیا ایسے سے دردِ دل کو کہیے؟
ایدھر تو سنا، اُدھر فراموش

بتلا تو بیاںؔ کسے کرے یاد
وہ تجھ کو کرے اگر فراموش؟

۴۹

مرے نامے کے ہے ازبس کہ رُو و پشت میں آتش
مثالِ مشعل آوے نامہ بر کی مشت میں آتش

نہ پوچھو داغِ دل کتنے ہیں اور ہے کس قدر سوزش
لگی گنتے ہی گنتے میری ہر انگشت میں آتش

ہزار آتش کدے سینے میں میں نے داب رکھے ہیں
کلیم آسا نہیں پھرتا دکھاتا مشت میں آتش

ہمیں مہر و محبت شعلہ رویوں ساتھ جتنی ہے
عزیزاتنی نہ ہو گی مذہبِ زردشت میں آتش

بیاںؔ کا خط کھلا، یا چادر آتش باز نے چھوڑی
بھری تھی بس کہ سوزِ دل سے رُو و پشت میں آتش

ص

۵۰

ہے زبانی ہی رُو برو اخلاص
دل میں رکھتا ہے کس سے تُو اخلاص!

گل نے یہ خوبیاں کہاں پائیں
جو کہ رکھتا ہے رنگ و بوٗ اخلاص

نہیں خواہش کسو سے ملنے کی
بس تجھی سے ہے آرزوٗ اخلاص

باطناً گو نہ تھا بظاہر ہی
کاش رکھتا وہ تند خوٗ اخلاص

یاد ہے کچھ بھی وہ بیاںؔ کا ربط؟
اب تو گویا نہ تھا کبھو اخلاص

ض

۵۱

آہ اب وہ مدعی کرتا ہے کب آنے کی عرض
جن نے بن پوچھے ہی کی واں سے مرے جانے کی عرض

خوب رویوں پر توجہ دل کی رہتی ہے مدام
اس سلیماں کو بہت بھائی پری خانے کی عرض

کہہ رہا "میری کرو تدبیر کچھ پیش از بہار"
کان دھر عاقل کہاں سنتے ہیں دیوانے کی عرض؟

سوزِ دل اپنے سے کب فرصت ہے جو ہم کچھ سنیں
شمع کی کیا التماس اور کیا ہے پروانے کی عرض

گو کہ رکھتے ہیں زبانِ چرب ہم لیکن بیاںؔ
کان میں اس زلف کے مقبول ہے شانے کی عرض

ط

۵۲

جانے لگے ہر ایک طرف صبح و شام خط
آیا وہ روسیاہ کہ جس کا ہے نام خط

اب آرزوئے بوس کہاں بار یاب ہو
کرتا پھرے ہے چہرے کے گرد اہتمام خط

پہلے جواب صاف تمھیں وے ہی دے گئے
جو بندگی کا دیتے تھے لکھ کر مدام خط

یہ کس کو میں لکھوں ہوں کہ خونناب چشم سے
رنگیں ہے جیسے کاغذِ ابری تمام خط
لکھتا ہوں سرگذشتِ شبِ ہجر میں بیاںؔ
ہوگا نہ روزِ حشر تلک اختتام خط

ظ

۵۳

بے جرأتی پہ ڈال ہے گر کیجے یاں لحاظ
اب وصل ہے، کدھر کا ادب اور کہاں لحاظ!
وہ، جانِ جاں! تو چھوڑ گیا بے ملاحظہ
اب تن سے کیوں نکلنے میں کرتی ہے جاں لحاظ
بہرہ نہیں ادب سے جسے، آدمی نہیں
انسان کو ضرور ہے، اے مہرباں! لحاظ
کیا مُنہ سوالِ بوسہ کوئی اس سے کر سکے
وہ جس کا نام لیتے کرے ہے زباں لحاظ
پاسِ ادب سے گرچہ نفس خوں ہوا مرا
لیکن دیا نہ ہاتھ سے میں نے بیاںؔ لحاظ

ع

۵۴

جو پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع
تو انھوں کے غم میں رو رو جان بھی کھوتی ہے شمع
مشہدِ پروانہ روشن کیوں نہ ہووے دہر دہر
جس کی بالیں پر تمامی شب کھڑی روتی ہے شمع
یہ سرشکِ آتشیں کیا ہے سمجھتا ہے کوئی
دل میں پروانوں کے تخمِ دوستی بوتی ہے شمع
یہ جو پروانے کو مارا کوئی مٹتا ہے کلنک
روسیاہی اپنی رو رو کر عبث دھوتی ہے شمع
مرگ سے غافل نہیں جو شخص ہیں روشن ضمیر
صبح کے ڈر سے بیاںؔ شب کو نہیں سوتی ہے شمع

غ

۵۵

جو نہ ہو اس شمع رُو کے عشق کا سینے میں داغ
کون مجھ بیکس کی تربت پر کرے روشن چراغ

اس بڑھاپے میں بھی ہے اک عشق کا سینے میں داغ
ہو چکی ہے صبح اور روشن ہے اس گھر میں چراغ

جان کر معنیٰ کسی کے میں نہیں باندھے کہیں
صاحبِ خرمن کو کب ہے خوشہ چینی کا دماغ

آہ کیونکر روئیے دل کھول کر اس کے حضور
خندۂ گُل کی صدا کرتی ہے عبث کو بے دماغ

ٹک مراقب ہو کے دیکھ اپنے گریباں کی بہار
سبز کو اٹھنے نہ دے گا پھر کہیں یہ خانہ باغ

غائبانہ آپ کو ترجیح دیں مجھ پر رقیب
روبرو طوطی کے کوئی سبز ہو سکتا ہے زاغ

عرض لیتا ہم زبانوں کے سلیقے کی بیاں
اس دلِ نالاں کے شیون سے اگر پاتا فراغ

ف

۵۶

آتا ہے جی کو دیکھ کے جوشِ بہار حیف
اے عندلیب! تو ہے قفس میں، ہزار حیف!

یاں تنگ ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اس کے مُنہ ستی بے اختیار حیف!

میں پس کے، خاک میں ترے کوچے کی مل گیا
تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھ سے غبار حیف!

بسمل ہی کر کے چھوڑ دیا، پھر نہ لی خبر
فتراک سے ترے نہ بندھا یہ شکار حیف!

کیا کیا شر اس کے واسطے میں نے کیے قبول
سمجھا نہ خیر خواہ بیاں مجھ کو یار، حیف!

۵۷

جب دیکھتا ہے طائرِ آزاد کی طرف
صیدِ اسیر دیکھے ہے صیّاد کی طرف

ہو چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف! | کافی ہے یاس اس دلِ ناشاد کی طرف
دیکھیں اگر ترے قد و قامت کو قمریاں | ہرگز نہ جائیں پھر کبھو شمشاد کی طرف
ہووے گا ذوق حسرتِ دیدار میں خلل | شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف
یاں تک تو سیر جاں سے ہے مجنوں ترا کہ میں ق | لے کر چلا تھا خانۂ فصّاد کی طرف
وہ خوں گرفتہ راہ میں کہنے لگا مجھے | "لے چل خدا کے واسطے جلّاد کی طرف"

باتوں میں آہ کن نے لگایا اسے بیاںؔ؟
رکھتے تھے کان ٹک مری فریاد کی طرف

ق

۵۸

بھلا سن تو اے دین و ایمانِ عاشق! | ہوا کیوں ہے تو دشمنِ جانِ عاشق
بظاہر تو عاشق ہی ہوتے ہیں قرباں | بہ باطن ہیں معشوق قربانِ عاشق
مقابل ہی رہتا ہے ہر وقت تیرے | ہے آئینہ یا چشمِ حیرانِ عاشق
نہیں چشمِ بد سے رقیبوں کی خطرہ | ترا لطف بس ہے نگہبانِ عاشق

بیاںؔ اس برابر نہیں کوئی دولت
کہ معشوق ہووے ثنا خوانِ عاشق

ک

۶۰

کروں شکوۂ درد و غم کب تلک؟ | بہر حال جیتا تو ہوں اب تلک
طبیبو! نہ ہوگی شفا تب تلک | نہ آوے وہ عیسیٰ نفس جب تلک

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا | کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک
نپٹ ہی بیاںؔ کا برا حال ہے | ق | تغافل ارے بے خبر! کب تلک

یہی دن ہے ملنا ہے تو اس سے مِل
کہ بچتا نہیں آج کی شب تلک

۶۰

ہیں ایک وضع پہ سینے کے داغ تازہ وخشک | نہیں بہار و خزاں میں یہ باغ تازہ وخشک
تمیزِ اہلِ دول کو ہے ربط و یابس کی | کہ سوجھتا نہیں کچھ بے فراغ تازہ وخشک
مگر رقیب بھی ہمراہِ یار آتا ہے | خبر جو دے ہے مجھے ہو کے زاغ تازہ وخشک
جنھیں ہے عشق انھیں خال وخط ہی ہے بس قوت | کہ دانہ گھاس سے ہو دیں الاغ تازہ وخشک
جلیں ہیں پر نہیں ہم جوں پتنگ آلودہ | برنگِ لالہ ہے اپنا چراغ تازہ وخشک
مبادسینۂ عاشق کا استخواں ہو کوئی | سمجھ کے توڑیو پیارے جناغ تازہ وخشک
مقلّدوں کی نہ صحبت سے نفع ہو نہ ضرر | نہ کر سکے گِل کاغذ دماغ تازہ وخشک
شراب خانۂ حیرت کے بادہ نوشوں کا | مثالِ آئنہ دیکھا ایاغ تازہ وخشک
جو تجھ سے دور ہیں نزدیک ان کے ہے سب ایک | بہار اور خزاں، باغ وراغ تازہ وخشک

بیاںؔ جوانی و پیری کدھر گئی پیہم
کہ بحر و بر میں نہ پایا سراغ تازہ وخشک

گو کہ صورت ہے خوب تیری لیک | چاہیے آدمی کی سیرت نیک
مجھ سے، اے دل ربا! تجھے لاکھوں | ق | نہیں ملتا ہے مجھ کو تجھ سا ایک
فرض میں لے کیا ملا کوئی | دوسرا دل کہاں سے لاؤں لیک

ل

۶۱

رکھے گا حشر تک مانندِ نرگس چشم وا بسمل
نگاہِ واپسیں کی بس کہ حسرت لے گیا بسمل

ادب سے یار کے، دل میں نفس خوں ہو گیا میرا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس ہی میں ہوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
موا جاتا ہے کیوں اتنا ٹک اک پر تو ہلا بسمل

نہ ہی میں کشتۂ شمشیر و نے مقتولِ خنجر ہوں
مجھے اس تُرکِ بدخو کے تغافل نے کیا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
بیاںؔ کس مُنہ سے مانگے اس سے اپنا خوں بہا بسمل

۶۲

نامہ بر! خط کو مرے تو یہیں اب آب میں ڈال
مت کہیں جا کے خلل خاطرِ احباب میں ڈال

بعد مدت کے ہم آغوش ہوا ہوں، ظالم!
آہ اس وقت نہ تو اپنے تئیں خواب میں ڈال

آسماں سے طمعِ نعمتِ الواں مت رکھ
ہے پڑی اوندھی، نہ ہاتھ اپنا تو اس قاب میں ڈال

رکھ مسبب پہ نظر صرف وہی کافی ہے
ہے اگر مرد تو خاک عالمِ اسباب میں ڈال

اے مہوس! تجھے اکسیر بتاتا ہے بیاںؔ
خاک اس کوچے کی لے اور اسے سیماب میں ڈال

۶۳

ہمارے کیفی کا مُنہ ہے گلاب کا سا پھول
عرق جو ٹپکے ہیں ہے شراب کا سا پھول

کچھ آ کے باغ میں شورش مری بڑھی بلبل
رکھے ہے ڈھب اسی خانہ خراب کا سا پھول

نہیں ہے اس سرِ انگشت پر یہ فندق بند
بندھا ہے شاخ پر اک انتخاب کا سا پھول

کھلے جو آنکھ تو دھوکا ہے باغِ دہر تمام
خیال کیسے یہ بلبل، ہے خواب کا سا پھول

کوئی نہ لالہ رخوں میں ہے گلبدن ایسا
نہیں ہے پھولوں میں جیسے گلاب کا سا پھول

بس آنکھ کھلتے ہی ہے کان میں پیامِ خزاں
رکھے ہے باغ میں عالم حباب کا سا پھول

چمن میں دہر کے، ہے خاکِ کربلا کی قسم،
کھلا نہیں ہے کہیں بوتراب کا سا پھول

ہے عندلیب دوانی وگرنہ کیا نسبت
رکھے ہے چہرہ اس عالی جناب کا سا پھول؟

نہ میرے نالے سے بلبل کو ہے بیاں نسبت
نہ منہ رکھے مرے حاضر جواب کا سا پھول

م

۶۴

ہزار واہ خط و زلف لاکھ واہ قلم
یہ ہاتھ کا ہے کس استاد کے سیاہ قلم

نہ مجھ سے ہو سکے تقریر اس کی بے تحریر
زباں اس امر میں شاہد ہے اور گواہ قلم

ہزار سال سے کہتے ہیں یوں عوام الناس
کہ دو زبان سے بکتا ہے میں ہوں شاہ قلم

قلم کو قدر قلم کش کے ہاتھ نے دی ہے
وگرنہ کیا ہے نئے خشک قسم کاہ قلم

پھرا ہے نظروں میں ایسا پھکیت چابک دست
کہ نیمہ راہ میں ناظر کے ہو نگاہ قلم

نہیں ہے دوری میں تیری کسی سے ربط مگر
انیس طبع کا اپنی ہے گاہ گاہ قلم

جو خط کے لکھنے میں یاد آتی ہے تری صورت
کرے ہے خون کے دریا میں پھر شناہ قلم

جو دیکھتے تری تصویر مانی و بہزاد
تو بولتے وہیں بے اختیار واہ قلم

دلوں کے درد کی تشریح سخت مشکل ہے
اب اس میں خواہ زباں ہو رفیق خواہ قلم

یہ عشق کیا ہے کہ آیا ہے حب سے لکھنے میں
امان مانگے ہے کاغذ بھی اور پناہ قلم

سخن کے لکھنے کا ڈھب کس طرح بیاں کو رہے
کہ منہ دوات کا دیکھے نہ سال و ماہ قلم

٦۵

میں بھی میاں کچھ آدمی ہوں مجھ سے شرماتے ہو تم
دیکھ کر مجھ کو عبث مجلس سے اُٹھ جاتے ہو تم

بات کچھ اس کی نہ سمجھا، ڈر سے میں کہتا تو تھا
"بندہ پرور! یوں ہی ہے جس طرح فرماتے ہو تم"

جانتا ہوں دشمنِ جانی ہو اس میں شک نہیں
جی سا آجاتا ہے لیکن جس گھڑی آتے ہو تم

کوئی بھی بکنے سے دیوانوں کے ہوتا ہے ملول!
بات میری کیا جسے خاطر میں کچھ لاتے ہو تم

اس غزل پر گر فغاںؔ ریجھے تو یہ پڑھیو بیاں
"میں تو اس لائق نہیں، یہ لطف فرماتے ہو تم"

٦٦

ابر سے ہم چشمی ان آنکھوں کی کیونکر ہو مدام؟
وہ کبھی برسے کبھی کھل جائے، یہ بدخو مدام

وہ مئے جوشاں کہ جن نے خم کو ٹکڑے کر دیا
ہم نے اس ٹوٹے سے شیشے میں رکھا اُس کو مدام

یہ جگر جلتا ہے یا دل یا کہ سینہ ہی تمام
مجھ کو اس کلبے سے آتی ہے دھوئیں کی بُو مدام

ہو دو زانو اغنیا کے پاس مت قالیں پہ بیٹھ
پانو پھیلا بوریے پر اپنے گھر میں سو مدام

زندگی ہوگی بیاںؔ تو وصل بھی ہو گا کبھی
دل کو ٹک ہنس بول کر بہلا، مت اتنا رو مدام

یار محفل میں کبھو پا دیں گے ہم؟
یا اسی حسرت میں مر جا دیں گے ہم؟

رخصت کرتے ہی مر گئے ہم
ایدھر گئے تم، اُدھر گئے ہم

ن

٦٧

آگے تو زلف ہی فقط مار رکھے تھی جال میں
دام بچھائے ہے یہ خط اور اب ایک حال میں

کون حیا ہے یہ کہ یار، ملنے سے جس کے رکھئے عار / خواب میں کیجے نت گزار، رہیے سدا خیال میں
بادہ کشی میں گر علم ہوں تو نرا ہے یہ ستم / مثلِ نگاہِ یار ہم مست ہیں اپنے حال میں
اہل زمیں ہی کچھ تباہ ہیں نہیں، چرخ پہ بھی آہ / مہر سے لے کے تابہ ماہ ہیں شرف و وبال میں

یا تو بیاںؔ ہی تھا قریں، بس وہی ایک ہم نشیں
یا کہیں بات ہی نہیں، اب کبھو ماہ و سال میں

۶۸

چھٹے جب دام سے تیرے تو کب ہم ہاتھ لگتے ہیں / کوئی شہباز، اے صیّاد! ہر دم ہاتھ لگتے ہیں
کبھی ہم بھی زباں کھولیں گے، اے ذوقِ سخن گوئی / اگر اس دردِ جاں فرسا کے محرم ہاتھ لگتے ہیں
ترے آنے سے آگے گر کوئی ڈھونڈے ہمیں پاوے / طلوعِ خور سے پہلے مثلِ شبنم ہاتھ لگتے ہیں
بھلا رونا تو میں مکرا، کہوں کیا گر کوئی پوچھے / ہوئی تر آستیں کس طرح؟ کیوں نم ہاتھ لگتے ہیں؟
کرے جو دل وہی ایسا نہیں ہے ایک عالم میں / دگرنہ دل ستاں تو عالم عالم ہاتھ لگتے ہیں

پھنسا ہے دام میں تیرے ہما یعنی بیاںؔ کا دل
نہ ہو غافل کہ صید ایسے بہت کم ہاتھ لگتے ہیں

۶۹

دیکھ گرمی تری کتنوں کے جگر جلتے ہیں / پڑیں چولھے میں جو یہ پست نظر جلتے ہیں
طائرِ قدر ترا بال کشا ہے جس جا / آگے اُڑتے ہوئے جبریل کے پر جلتے ہیں
بے ہنر مجھ سے کو دیتا ہے خدا اتنا کچھ / کہ جسے دیکھ بہت اہل ہنر جلتے ہیں
چاہیے ڈرتے رہیں صالح و طالح دونوں / خشک دیکھا کہ وہ بچ رہتے ہیں، تر جلتے ہیں
تپ مرض کی کبھی بھڑکے کبھی دھیمی ہووے / عشق کی تپ ہے جنھیں آٹھ پہر جلتے ہیں
سیج پر پھولوں کی محبوب کہ خوش سوتا ہو / کیا خبر اس کو کہ عشاق کدھر جلتے ہیں؟

قرب میں دوست کے ہے عیش کہ دیکھ اس کو بیاںؔ
جنّتی رشک سے جوں اہل سقر جلتے ہیں

۷۰

در پر ترے کیا بے دل، ارے یار! کھڑا ہوں
ہاتھوں سے رقیبوں کے نہیں بار، کھڑا ہوں

بیٹھے ہیں عنایات کی امید پر اغیار
میں ہوں کہ عقوبت کا سزاوار کھڑا ہوں

ہے عشق میں اک لشکرِ غم مجھ سے مقابل
گر، یار! مدد ہو تو ابھی مار کھڑا ہوں

اتنا بھی ستم کیا ہے، ٹک انصاف تو کر تو
تسلیم ہو، آگے ترے خونخوار کھڑا ہوں

کہتا ہے "بیاںؔ! سر نہیں لاتا ہے تو آگے
میں کب سے لیے ہاتھ میں تروار کھڑا ہوں

۷۱

ہمیں ہی شمع رو اپنا نہ دیوانے بناتے ہیں
چمن سے بلبلوں کو کھینچ پروانے بناتے ہیں

اٹھا دیتے ہیں اک پل میں، منا لیتے ہیں اک پل میں
غرض عاشق کے تئیں اپنے یہ جانانے بناتے ہیں

کبھی شیریں دہن مصری کی ڈلیاں دل میں گھر چاہیں
ہم اپنے سینے میں جوں شاں غسل خانے بناتے ہیں

لیا دل اور اس میں اپنی جاگہ کر گئے قائم
کہ لیتے ہیں جس آبادی کو واں تھانے بناتے ہیں

کسی بھی امر کی اصلاح ہم دیکھی نہ اخواں سے
ہماری بات بگڑی بلکہ بیگانے بناتے ہیں

سلاطیں راج بنیے قدر گوہر کی سمجھتے ہیں
ہم ان کے گوش کی خاطر یہ دردانے بناتے ہیں

ہماری بھی کہانی کل بیاںؔ یوں ہی بنا دیں گے
کہ جیسے آج ہم، لوگوں کے افسانے بناتے ہیں

۷۲

گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں
دل پہ میرا کچھ اختیار نہیں

وے نگاہیں جگر میں بیر گئیں
کونسا وار ہے کہ پار نہیں

وقت! آنے کو اپنے تو مت پوچھ
مجھ کو کس آن انتظار نہیں

گر نہ خفاشِ چشم کو سوجھے
مہر کس ذرے میں دوچار نہیں

جھانک ٹک باغ دل میں اپنے بیاںؔ
اس چمن میں بھی کم بہار نہیں

۷۳

یہ خوب رو نہ پھری، نے کنار رکھتے ہیں
نگاہِ لطف سے عالم کو مار رکھتے ہیں

چراغِ گور نہ شمعِ مزار رکھتے ہیں
بس ایک ہم یہ دلِ داغدار رکھتے ہیں

شرابِ عشق نہ اے دوست! پیجیو ہرگز
اسی نشے کا ہم اب تک خمار رکھتے ہیں

تجھے گمان غلط ہے یہ، ناصحِ مشفق!
کہ دل کے دینے میں ہم اختیار رکھتے ہیں

مری زبانی کوئی اس سے اس قدر پوچھے
کہیں یہ جھوٹے بھی وعدے شمار رکھتے ہیں

قیامت آ چکی دیدارِ حق ہوا سب کو
ہم اب تلک بھی ترا انتظار رکھتے ہیں

اگرچہ خاک برابر کیا فلک نے بیاںؔ
دماغ، پر وہی ہم خاکسار رکھتے ہیں

۷۴

بغل میں اپنی سبھی اپنا یار رکھتے ہیں
مگر ہمارے ہی صاحب کنار رکھتے ہیں

نہیں میں بوسہ لیا، ہونٹ پیار سے چوسے
جو اس پہ روٹھے تو آپ اختیار رکھتے ہیں

بعید ہے یہ، صفا منظروں کی خوبی سے
کہ خاکساروں سے دل میں غبار رکھتے ہیں

جہاں کی آنکھوں میں گو عشق نے ذلیل کیا
پر اس کی نظروں میں ہم اعتبار رکھتے ہیں

قبولِ خلق خدا اس قدر نصیب کرے
ق بیاںؔ کے حق میں جو الطاف یار رکھتے ہیں

ادھر تو دیر میں کرتے ہیں برہمن سب یاد
حرم میں شیخ ادھر انتظار کرتے ہیں

۷۵

کیا دردِ دل سنائیے! کچھ بات ہی نہیں
کیونکر بلائیے کہ ملاقات ہی نہیں

جب سے کہ گوش رس ہوئے الفاظ غیر کے
وہ اپنے ساتھ چشمِ عنایات ہی نہیں

مومن نہ کافر اور نہ سیّد نہ شیخ ہے
عاشق کی پوچھیے تو کوئی ذات ہی نہیں

میں کی تھی سیلِ اشک چھپانے کی زور فکر سو اب کے سال شہر میں برسات ہی نہیں

وہ روز کونسا ہے نہیں جس کو شب بیاںؔ

یہ ہجر کا ہے دن کہ جسے رات ہی نہیں

۷۶

دل اب اُس دل شکن کے پاس کہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟

صبر بیمارِ عشق کی ہے دوا پر طبیعت سے میری راس کہاں؟

صبح آنے کا اس کے وعدہ ہے مجھ کو پر رات بھر کی آس کہاں؟

دشمنِ جاں کو دوست سمجھا میں وہ کہاں، میں کیا قیاس کہاں!

کیا ہوا اس کو دیکھتے ہی بیاںؔ

ہوش کیدھر گئے حواس کہاں!

۷۷

جو زمیں پر فراغ رکھتے ہیں آسماں پر دماغ رکھتے ہیں

ساقی بھر بھرا نھیں کو دے ہر شراب جو کہ لبریز ایاغ رکھتے ہیں

تیرے داغوں کی دولت، اے گل رو! ہم بھی سینے میں باغ رکھتے ہیں

حاجتِ شمع کیا ہے تربت پر ہم کہ دل سا چراغ رکھتے ہیں

آپ کو ہم نے کھو دیا ہے بیاںؔ

آہ کس کا سراغ رکھتے ہیں

۷۸

شکوہ اپنے طالعوں کی نارسائی کا کروں؟ یا گلہ، اے شوخ! تیری بے وفائی کا کروں؟

وہ کہ اک مدت تلک جس کو بھلا کہتا رہا آہ اب کس منہ سے ذکر اس کی برائی کا کروں؟

آبِ زمزم سے میں دھولوں اپنی پیشانی کے تئیں
در پہ تب اس کے ارادہ جبہ سائی کا کروں؛
خوب سی تنبیہ کرنا، اے جدائی! تو مجھے
گر کسی سے پھر کبھی قصد آشنائی کا کروں؛
گر مسخّر ہووے وہ خورشید رو میرا بیاں
بادشاہی کیا کہ میں دعویٰ خدائی کا کروں

۷۹

چراغِ صبح ہوں یا آفتابِ روزِ آخر ہوں
کوئی ساعت کا مہماں ہوں، کوئی دم کا مسافر ہوں
تمنّا بادشاہی کی کسی سفلے کو ہووے گی
مرے دل میں خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہوں
ہوس اسباب آزادی کے سب برباد دیتی ہے
گرفتارِ علایق، اے ہوا! میں تیری خاطر ہوں
نہ بت خانے میں ہندو ہے، نہ کعبے میں مسلماں ہے
وفا کے آستانے پر مگر اک میں ہی حاضر ہوں
بیاں باطن میں بدتر آپ کو پاتا ہوں حیواں سے
یہ اس کا فضل ہے جو صورتِ انساں بظاہر ہوں

۸۰

جب کہ دلچسپ کسی شوخ کی صورت دیکھیں
دل کے دینے میں نہ عشاق مہورت دیکھیں
اہلِ اخلاص جو مصحف بہ ضرورت دیکھیں
قل ہو اللہ کی بس کھول کے صورت دیکھیں
تجھ سے پتھر کی پرستش سے یہ بہتر ہے کہ ہم
سنگ کی ایک بنا کر کوئی مورت دیکھیں
اپنے ہی شہر میں وہ ماہ جبیں جن کو ملے
سیرِ گجرات کو وے جائیں، نہ سورت دیکھیں
آہ ہم صافیِ ظاہر پہ دیا دل کو بیاں
یہ کہاں چشم کہ باطن کی کدورت دیکھیں

۸۱

ڈرتا نہیں مرنے سے کہ رنجور پڑا ہوں
افسوس! کہ اس در سے بہت دور پڑا ہوں

جوں سرمہ سیہ کاری بھی مقبول ہے میری
نظروں میں تری جب سے کہ منظور پڑا ہوں

صد حیف کہ دریا کے کنارے رہوں تشنہ
خم پاس اور افسوس کہ مخمور پڑا ہوں

نے شمعِ سحر گہ ہوں، نہ خورشیدِ سرِ شام
میں دوری میں اس ماہ کی بے نور پڑا ہوں

گر میری خبر پوچھیں بیاں حضرتِ آصفؔ
کہیو اسی کوچے میں بدستور پڑا ہوں

۸۲

اپنے ہی منہ سے کہیں کیونکہ ہم ایسے ہیں
جاں نثار اپنوں میں گر ڈھونڈو تو کم ایسے ہیں

وے معطّر کریں اور ان سے پریشاں ہو دماغ
اہلِ دل ویسے ہیں اور اہلِ شکم ایسے ہیں

قہر اس لطف سے کرتا ہے کہ جی دیتی ہے خلق
رحم کیا ہوویں گے وے جن کے ستم ایسے ہیں

ایسی تیسی کریں ہم ان کی جو بدنام کریں
آپ کی وضع نہ ویسی ہے، نہ ہم ایسے ہیں

کیا کمال اپنے بیاںؔ ہم کریں جز بے ہنری
صاحب السّیف ہیں یا اہل قلم ایسے ہیں

۸۳

علم سینے میں یا سفینے میں
یاں سفینے میں ہے نہ سینے میں

ایسی مے سے کہ یار بن پیجے
ہے مزہ خونِ دل کے پینے میں

عیش سب خاک میں ملے بے یار
بادہ آتش ہے آبگینے میں

زندہ در گور میں ہوا تجھ بن
یعنی خاک اس طرح کے جینے میں

کوئی تیرا عدو نہیں ہے بیاںؔ
آپ مت رہ کسی کے کینے میں

۸۴

آہ اپنے سروِ خوش رفتار کو دیکھا نہیں
کل سے بیکل ہے مرا دل، یار کو دیکھا نہیں

اپنی آنکھوں میں اسی دن، ہے قیامت آشکار
جس دن، اے مولا! ترے دیدار کو دیکھا نہیں
قیمت اپنی سے مرا یوسف نہیں رکھتا خبر
جب تلک اس مصر کے بازار کو دیکھا نہیں
کعبۂ مقصود میں جو گھر کے صاحب سے ملا
ان نے پھر واں کے درو دیوار کو دیکھا نہیں
در پر اس قاتل کے، ہیں کشتوں کے پشتے بیشمار
پر نکلتے آج تک ؎ تروار کو دیکھا نہیں
وار ہی سے عشق کے دریا کی لی یاروں نے تھاہ
پر کسی پیر اک نے اس پار کو دیکھا نہیں
کفر اور اسلام کے آئیں کو کیا سمجھے بیاںؔ
جن نے اب تک سبحہ و زنّار کو دیکھا نہیں

۸۵

یا کبھو محفل میں اس کی میں ہی میں تھا، ہائے میں
یا اب اس کوچے میں بھی رکھتا نہیں ہوں جائے میں
اپنی ہستی کھو کے اوروں کو سکھا کسبِ فنا
تجھ سے تو جاوے کہاں جب تک نہ مجھ سو جائے میں
وہ کہ میرے حال سے جس کو نہیں کچھ آج غم
کل بھی بے پروائی ایسی ہی کرے تو وائے میں
جو بلا بھیجے تو ٹک اغیار میں عزت رہے
جانتا تو ہے کہ رہنے کا نہیں بن آئے میں
دشمنوں نے عیب ہی ثابت کیے اس دوست پر
سو ہنر اپنے بیاںؔ ہر چند واں دکھلائے میں

۸۶

شیخ کعبے میں بھٹکتا ہے، برہمن دیر میں
آپ ہی میں ہے، عبث یہ ڈھونڈتے ہیں غیر میں
آہو و بلبل میں حسن و عشق اگر پایا بھی جائے
نسبت انسان کیوں کر کیجے وحش و طیر میں
بس مرا، صاحب! یہی انصاف ہے سرکار میں؟
خیر خواہی میں رہیں مصروف ہم، تم بیر میں
حسن کا اپنے تصدق ایک بوسہ ہم کو بھی
یاد رکھنا یہ سدا، پیارے! بھلا ہے خیر میں
دیکھیے کس کی کشش آتی ہے غالب، اے صنم!
میں تجھے مسجد میں کھینچوں یا مجھے تو دیر میں
ایسے کندہ ناتراشیدہ بھلا سمجھیں گے کیا
فرق جو کرتے نہ ہوویں آبنوس و کھیر میں
سب قفس کے عندلیبوں کو چھڑا دوں گا بیاںؔ
دل اگر اس کا کھلا مجھ سے چمن کی سیر میں

جب سے اغیار نے کچھ اور دکھائیں آنکھیں
ہم نے پھر آپ سی وے اپنی نہ پائیں آنکھیں

دل کی آنکھوں کو بہم چاہیے باطن میں ملاپ
گو بظاہر نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں

اغیار مجھے آن کے ہیہات منا ویں
رنجش ہی بھلی تھی کہ یہ بد ذات مناویں

اب شغل نیا ہاتھ لگا ہے یہ بتاں کے
دن نکلے رُٹھا دیویں ہمیں رات مناویں

زہر سے کیا تلخ تر ہے مے کا پینا یار بن
مرگ سے بدتر کوئی حالت ہے جینا رات بن

نہ واقف مے کی کیفیت سے، نے مینا سمجھتے ہیں
ہم اپنے خونِ دل کو راح روح افزا سمجھتے ہیں

تری فہمید کا تو پوچھنا کیا ہے ولے ہم بھی
معانی کو ترے ناز و ادا کے کیا سمجھتے ہیں

و

۸۷

کہتا نہیں ہیں، قاصد! لے کر جواب پھریو
ٹک واسطے خدا کے واں سے شتاب پھریو

اس کی گلی سے مجھ کو جس شخص نے نکالا
میری طرح سے یارب وہ بھی خراب پھریو

ٹک مے کشوں میں اب تو مت بیٹھ بعد میرے
کوچہ بہ کوچہ، پیارے! پی کر شراب پھریو

ہے آج وصل کی شب، مت صبح ہو شتابی
زیرِ زمین ہی ٹک، اے آفتاب! پھریو

تو دیکھ کر چلا ہے حالت بیاں کی، ہمدم!
کچھ دیر وہ لگاوے تو تو شتاب پھریو

۸۸

رفعِ مخموری مری خستہ کو تم چھوڑو تو ہو
تم سے میں گزرا، مغاں! ساغر میں مے کی بو تو ہو

محرموں اپنوں سے پوچھو اور اپنی خوبیاں — پر تکلّف برطرف، اے مہرباں! بدخو تو ہو

شہر میں بس میں ہوں اور تو اور فرشتہ بھی نہ ہو — اک طرف ساقی پسر اور دخترِ رز ہو تو ہو

یوں تو ممکن نہیں کہ تجھ بن یار ہووے جلوہ گر — زنگ اپنے دل کے آئینے سے غافل کھو تو ہو

تخم ریزی مزرعۂ دنیا میں کرنا چاہیے

اے بیاںؔ! اُمید ہنگام درو، کچھ بو تو ہو

۸۹

کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو — اک بے خلل سی جا ہو، بس میں ہوں اور تو ہو

جی چاہیے جو ذلت دے لیجیے اکیلے — غیروں کے سامنے تو ٹک مجھ کو آبرو ہو

مفتی ہو یا کہ قاضی میری سی کب کہیں گے، — جس وقت محکمے میں وہ شوخ روبرو ہو

خنجر کا گھاٹ اس کے گہرا میں کیا بتاؤں — تو نیزے ہی سمجھیے جس وقت تا گلو ہو

دنیا کی خوبیوں سے کافی ہے بس بیاںؔ کو

ساقی ہو اور شاہد سبزہ ہو آب جو ہو

۹۰

لاتے ہو وقت نزع کے تشریف کاہیکو؟ — اتنی بھی آپ کیجیے تکلیف کاہیکو؟

یارو! جو کچھ کہوں میں وہی اس سے تم کہو — اپنی طرف سے کرتے ہو تصنیف کاہیکو؟

جھوٹی زمانہ سازی سے کچھ فائدہ نہیں — اُلفت نہ ہو تو کیجیے تالیف کاہیکو؟

تاثیر کچھ دوا کو، نہ پرہیز ہو سکے — ہوتی ہے اس مریض کو تخفیف کاہیکو؟

اب اس کو بد کہے ہے بھلا سنیو، اے بیاںؔ!

پہلے ہی اتنی کیجیے تعریف کاہیکو؟

۹۱

یارب! نہ ہند ہی میں یہ ماٹی خراب ہو — جا کر نجف میں خاکِ درِ بوتراب ہو

حاصل ہو اس نفس کو صفت مطمئنہ کی بیش اس کو ارجعی کا ادھر سے خطاب ہو
جب چشم بستگی ہو مجھے اس جہان سے آنکھوں کے سامنے وہی عالی جناب ہو
اے یار! یاں تو مُنہ نہ دکھایا کبھو ہمیں
ایسا نہ ہو کہ واں بھی بیاںؔ سے حجاب ہو

۹۲

کچھ سلطنت سے عیش ہمارے تئیں نہ ہو اقلیم نام نیک جو زیر نگیں نہ ہو
کانوں سے ہے یہ آہ غریبانہ آشنا لیجو خبر، مرا دلِ اندوہگیں نہ ہو
دامانِ کوہ تک ابھی پہنچے ہے سیلِ اشک گر سدِّ راہ گریہ مری آستیں نہ ہو
حسرت پہ اس غریب کی ہے سخت جائے رحم بالیں پہ جس کی یار دمِ واپسیں نہ ہو
تعریف سے کسو کی بیاںؔ کو خوشی نہیں
جب تک کہ تیرے منہ سے اسے آفریں نہ ہو

۹۳

کہتا ہے کون ہجر مجھے صبح و شام ہو پر وصل میں بھی لطف نہیں گر مدام ہو
شکوہ کیا ہو میرے لبِ زخم نے کبھو تو مجھ پہ آبِ تیغ، الٰہی، حرام ہو
صاحب! تم اپنے منہ کو چھپاتے ہو مجھ سے کیوں؟ ہے اس سے کیا حجاب جو اپنا غلام ہو؟
منہ لگنے سے رقیب کے اب سر چڑھے ہیں سب کر ڈالے اس کو ذبح ابھی انتظام ہو
مت دردِ دل کو پوچھ بقولِ فغاںؔ، بیاںؔ
"اک عمر چاہیے مرا قصّہ تمام ہو"

۹۴

جب کہ سیرت نہ ہو، کب کھینچے گی صورت ہم کو جا سے لے جائے گی کیا ماٹی کی مورت ہم کو

آئنے میں نہیں ہم شیشۂ ساعت، اے یار! اپنی تو جان، نہیں دل میں کدورت ہم کو

بس کہ اخلاص سے ہم کو ہے سروکار بیاںؔ

قل ہو اللہ کی بس یاد ہے صورت ہم کو

۹۵

کہا اغیار کا حق میں مرے منظور مت کیجو مجھے نزدیک سے اپنے کبھو تو دور مت کیجو

ہوئے سنگِ جفا سے شیشۂ دل کے کئی ٹکڑے بس اب اس سے زیادہ اور چکنا چور مت کیجو

مرے مرہم گذار اس شوخِ بے پروا سے یہ کہیو کہ "ظالم! زخم تازہ ہے اسے ناسور مت کیجو"

حقارت اپنے عاشق کی نہیں معشوق کو بھاتی ق بیاںؔ سعی اپنی رسوائی میں تا مقدور مت کیجو

کہا تھا ساربان کے کان میں لیلیٰ نے آہستہ

کہ مجنوں کی خرابی کا کہیں مذکور مت کیجو

آہ! وہ بے رحم کب پہنچے ہے میری داد کو جو کہ خوش ہوتا ہے سن کر نالہ و فریاد کو

الفتِ گل نے مجھے لا کر پھنسایا دام میں ورنہ کیا میں جانتا تھا خانہ صیاد کو؟

مجھے تو سب خبر پہنچی ہے، کل کی شب جہاں تھا تو بھلا تو بھی تو کہہ اے شوخ! کیا گزرا؟ کہاں تھا تو؟

ابھی اس راہ سے ایسا ہی اک رشکِ پری گزرا خدا جانے کہاں اس وقت دیوانے بیاںؔ، تھا تو

آہ ہو یا نالۂ جانکاہ ہو کوئی طفلِ اشک کے ہمراہ ہو

کیوں کہ ٹھہرے اپنے گھر میں اس کا پاؤں یار کے کوچے میں جس کو راہ ہو

میرے بھی گھر میں آیئے بارے کبھو کبھو جو روز جی نہ چاہے تو پیارے کبھو کبھو

ھ

۹۶

گرمیِ نالے کی بھی دب گئی نفسِ سرد کے ساتھ
کام ڈالے نہ خدا مرد کو نامرد کے ساتھ

گرد باد اس کی گلی میں یہ چلا جاتا ہے
یا کوئی عاشقِ سرگشتہ ہے اس گرد کے ساتھ

گلِ بے خار بھی گلشن میں بہت تھے لیکن
لگ گیا بلبلِ شوریدہ کا دل ورد کے ساتھ

زرد روئی سے جہاں میں ہے بہت بے قدری
مگر عشاق کو ہے قدر رُخِ زرد کے ساتھ

ہم سیہ کاروں سے کیا بحرِ کرم لیوے حساب؟
چاہے دفتر ہی کو دھو ڈالے وہ اک فرد کے ساتھ

اِس سے ہم رنگ ہو مل بیٹھے کو کیا مرگ سے کام
نرد ہوتی نہیں حک باندھے ہے جب نرد کے ساتھ

خانہ پرورد کو کیا تجربہ گھر میں ہووے
پھرے جب تک نہ کسی مردِ جہاں گرد کے ساتھ

ہم نشیں! ہو بہت حق ہے جو آجاوے وہ آپ (؟)
ورنہ بے لطف ہے مضموں کہ ہو آورد کے ساتھ

میں بھی چاہوں ہوں بیاں چین سے بیٹھوں لیکن
کیا کروں کام پڑا ہے کسی بے درد کے ساتھ

۹۷

ابھی سے دل کہیں اٹکا ہے کیا؟ اے نوجواں! سچ کہہ
ہماری طرح کیوں کرتا ہے یہ آہ و فغاں سچ کہہ

کسی محرم کو ایسے وقت رکھنا ساتھ بہتر ہے
اکیلا رات کو چھپ چھپ کے جاتا ہے کہاں؟ سچ کہہ

کوئی حلقہ بگوش اپنوں سے، قرباں ہوں چھپاتا ہو
کیا ہے کس نے تیرے تیر سے قد کو کماں؟ سچ کہہ

کمر کا تیغِ ابرو سے بھی کچھ خم اب زیادہ ہے
یہ بارِ عشق سے کس کے ہے، اے نازک میاں! سچ کہہ

کہیں سے ہم بھی آخر سن رہیں گے، کیوں مکرتا ہے؟
تجھی سا ہے کوئی بے مہر یا ہے مہرباں! سچ کہہ

یہ دل کی دل میں رکھنا، کچھ نہ کہنا کیا قیامت ہے
نہیں کیا ہم پہ اتنا اعتماد، اے بدگماں! سچ کہہ

بیاں یہ دوسرا بھی بوجھ اٹھا لینے کو حاضر ہے
گر اٹھ سکتا نہیں اب تجھ سے یہ بارِ گراں سچ کہہ

۹۸

ہر چند ہے گل بہتر، گلزار بہت تحفہ
دل اٹکے اگر اپنا تو خار بہت تحفہ

خود رائے ہمارے کو جو چیز پسند آوے
گر بد ہو، ہمیں کہنا ناچار، بہت تحفہ

آگے ہی قیامت تھی اب اور اُٹھے فتنے
قامت تو عجب تھی ہی رفتار بہت تحفہ

ہے چشم کے پہلو سے مژگاں کی صف آرائی
اس فوج نے پایا ہے سردار بہت تحفہ

اس مجمع خوبی کو دل کیوں نہ بیاںؔ دیوے
اوضاع پسندیدہ، اطوار بہت تحفہ

کبھو بھلا تو اکیلے ہی مجھ سے ٹک مل دیکھ
لپٹ کے میرے کلیجے سے خوب سا دل دیکھ

کیا ہے نیم نگاہی نے ایک عالم قتل
کسے مجال کہ اتنا کہے کہ "قاتل دیکھ"

شگفتگی ہی سے، اے غنچے! گل ہوا برباد
اگر نہیں تجھے باور تو آج ہی کھل دیکھ

ی

۹۹

آج آمدنی باغ میں ہے آہ کسی کی
نرگس نہیں، تکتا ہے چمن راہ کسی کی

گلشن میں قیامت ہوئی جو سرو کو دیکھا
یاد آگئی قامت مجھے ناگاہ کسی کی

کچھ کہیے تو کیا اس بتِ کافر کو خدایا
پروا ہی نہیں ہے جسے، اللہ! کسی کی

بوسہ کبھو دیتے تھے پر اب قد جو نکالا
جز عالمِ بالا نہیں تنخواہ کسی کی

گر شکر و شکایت ہے بیاںؔ کو تو تجھی سے
بیزاری کسی ساتھ، نہ ہے چاہ کسی کی

۱۰۰

کارِ دل میں عشق کا اب بند و بست ہے
برخاست خرّمی کی ہے غم کی نشست ہے

قیمت گہر کی گھٹتی ہے ٹوٹے سے، دل کی لیک
افزودِ قدر ہونے کا باعث شکست ہے

اس خاک داں میں آپ ہیں پابند ورنہ ہم
جُرأت کریں تو عرش تلک ایک جست ہے

سرگرمِ نالہ مجھ کو نہ ہونے دے، اے فلک!
سقفِ بلند ایک ہی صدمے میں پست ہے

کچھ چشم اس کی چشم سے نغی مجھ کو اے بیاںؔ
دیکھا تو اپنے حال ہیں آپھی وہ مست ہے

۱۰۱

چشمِ کرم کسو ہی سے اپنے تئیں نہیں رہی
رسم مروت اٹھ گئی، مہر کہیں نہیں رہی

حکم میں شہ کے ملک و مال ہووے سو اس کا کیا حساب
خاتمِ نقرہ تک تو اب زیرِ نگیں نہیں رہی

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے، ہم نشیں!
شام سے لے کے صبح تک وہ ہی "نہیں نہیں" رہی

اس کے قدم کے نقش کا میں نے خیال کر، بیاںؔ
سجدہ جہاں کیا نہ ہو ایسی زمیں نہیں رہی

۱۰۲

کس کی یہ تیغ کا خاطر میں مرے مضموں ہے؟
تا زباں پر سخن آیا کہ دہن پر خوں ہے

حضرت آدم سے مری طبع کو نسبت ہے صحیح
اپنا منظورِ نظر بھی کوئی گندم گوں ہے

ایک شب میری کہانی کو سُنا ہے جس نے
روز پوچھے ہے کہ افسانہ ہے یا افسوں ہے

کوئی جز قیس دوانا نہ ہوا لیلیٰ کا
یاں ترے عہد میں دیکھوں جسے، مجنوں ہے

ایک بس تیری جدائی ہی سے شاکی ہے بیاںؔ
اور اگر سر بھی جُدا کیجے تو وہ ممنوں ہے

۱۰۳

رات اس تنگ مزاج سے کچھ بات بڑھ گئی
وہ روٹھ کر گیا تو غضب رات بڑھ گئی

یہ کہیو، ہم نشیں مجھے کیا کیا نہ کہہ گئے
میں گھٹ گیا نہ آپ کی کچھ ذات بڑھ گئی

بوسے کے نام پر ہی لگے کاٹنے زباں
کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھ گئی

چشموں سے میرے شہر میں طوفان گریہ ہے
نادان جانتے ہیں کہ برسات بڑھ گئی

سمجھا تھا میں کمر ہی تلک زلف کا کمال
وہ پانو سے بھی آگے کوئی ہات بڑھ گئی

اغیار سے نہیں ہے سروکار یار کو
میرے برغم ان سے عنایات بڑھ گئی

بے طوریوں سے اس کی بیاںؔ میں تو کھنچ رہا
غیروں کی اس کے ساتھ ملاقات بڑھ گئی

۱۰۴

وہ چمن سنبل وریحاں کا جہاں ہاٹ لگے
آج یہ دن ہے کہ چولائی لگے ماٹ لگے

جنس و ناجنس کو پیوند بہم ہو کیوں کر
زیب دیتا نہیں قالین سے اگر ٹاٹ لگے

دو ہی کر دیتی ہے دل، یہ تری ابرو کی کجی
نہ سروہی کا نہ تیغے کا اسے کاٹ لگے

اپنی ہی آہِ رسا پر یہ بھروسا ہے بیاںؔ
چرخ جھک جائے تو اس چھت کو یہی ناٹ لگے

۱۰۵

اک بے گنہ کو مارا کچھ بھی خدا کا ڈر ہے؟
بے رحم! یہ دلیری، کیا دل ہے، کیا جگر ہے!

کس واسطے شتابی جانے کی اس قدر ہے؟
گو شام ہووے صاحب! یہ بھی تو اپنا گھر ہے

شیشے کو اپنے دل کے جب کر دیا حوالے
اتنا نہ جانتے تھے تو مست و بے خبر ہے

اب اس کو توڑ کر تو کہتا ہے "اور بھی ہے؟"
سینہ مگر ہمارا دوکانِ شیشہ گر ہے

اغیار تک تو روے احوال پر بیاںؔ کے
تو نے کبھو نہ پوچھا "کیسا ہے؟ کیا خبر ہے؟"

۱۰۶

مت آئیو اے وعدہ فراموش! تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

کچھ رحم ہی دنیا سے نرالا نہیں اس کا		دیکھا نہیں اس لطف کا باللہ غضب بھی
شوخی سے تری خوش ہوں میں ہر چند ولیکن		لازم ہے کسی وقت، مری جان! ادب بھی
آخر تو شکایت سے مجھے منع کیا ہے		سی دیجیے ٹک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی

اب ہجر میں کہتا ہے کہ تھا وصل میں آرام
نالاں ہی بیاںؔ میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی

۱۰۷

رخصت ہے عقل و ہوش کو چاہے جہاں رہے		اے ساکنانِ کوئے بتاں! ہم تو یاں رہے
کیا دیکھتے ہو دل کو مرے تم الٹ پلٹ		آیا ہے جو پسند تو، اے مہرباں! رہے
یارب کبھو ہوں معنی بھی کچھ اس کے منکشف		کب تک سبق یہ گریے کا مجھ کو رواں رہے
ناز آئنے کو دیکھ کے کیجے تو خوب ہے		گر صاف کہیے منہ پہ تو کیا مہرباں رہے

فرہاد و قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت
اب کونسی جگہ ہے کہ جس میں بیاںؔ رہے

۱۰۸

کوئی ایسا جہان میں نکلے		کہ درست امتحان میں نکلے
سو برس میں نہ نکلے دل کی خلش		اور نکلے تو آن میں نکلے
کچھ یہ لازم نہیں کہ جنسِ عزیز		مصر ہی کی دکان میں نکلے
گر کوئی ہووے مستعد پورا		یوسف اس کاروان میں نکلے

یہ بیاںؔ، ریختے کی میرے زمیں
نہ زمین آسمان میں نکلے

۱۰۹

شمشیرِ ہجر ہی سے کرتا ہے یار ٹکڑے		ہوتا حضور اے کاش! یہ جاں نثار ٹکڑے

ظالم! مجھے ذرا مت، غمزے کی تیغ سے تو
ہر چند ہو رہا ہوں میں دل فگار ٹکڑے
پیوند کر کے پھر بھی سینہ بسر کروں گا
ہوں گے مرے جگر کے گر لاکھ بار ٹکڑے
صحرا نوردی اپنی اس مرتبے کو پہنچی
اب میرے آبلوں سے ہوتے ہیں خار ٹکڑے
ساقی ہی شاید آکر توڑے خمار کا سر
کرتا ہے اب تو میرے سر کو خمار ٹکڑے
قاروں کے گنج سے بھی سمجھے ہے کچھ زیادہ
جھولی میں جب گدا کی ہوتے ہیں چار ٹکڑے
شیشہ ہمارے دل کا کس طاق سے گرا ہے
اے ہم نشیں! ہوئے ہیں کیا بے شمار ٹکڑے
ناصح! عبث کرے ہے تیں فکر اب رفو کا
بس جیب کا کیا ہے ہر ایک تار ٹکڑے
شرحِ شکستہ حالی کیوں کر بیاں کروں میں
خاطر کے لاکھ پرزے، دل کے ہزار ٹکڑے

۱۱۰

رسوا نہ کر، خدا سے ڈر، اے چشمِ تر! مجھے
آتا ہے اس کی بزم میں بارِ دگر مجھے
میں سست گام، قافلۂ عمر تیز رو
تنہا نہ چھوڑ جائیں کہیں ہم سفر مجھے
آیا ہوں اس گلی سے، ابھی دم نہیں لیا
پھر لے چلا ہے یہ دلِ وحشی ادھر مجھے
ساقی! تری نگاہ کے صدقے میں ایک بار
دونوں جہاں کی فکر سے کر بے خبر مجھے
جتنا ستم کرے وہ اٹھاؤں گا میں بیاںؔ
دل کے عوض بھی حق نے دیا ہے جگر مجھے

۱۱۱

جادو تھی، سحر تھی یا بلا تھی؟
ظالم! یہ تری نگاہ کیا تھی؟
کیدھر ہے، کہاں ہے خوش دلی تو؟
ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی
شیریں بھی تجھی سی تھی ستم گر
لیلیٰ بھی اگرچہ بے وفا تھی
فرہاد پہ اس قدر نہ تھا ظلم
مجنوں پہ نہ یہ غضب جفا تھی
مارا ہے بیاںؔ کو جن نے، اے شوخ!
کیا جانیے کونسی ادا تھی

۱۱۲

جا کہے کوے یار میں کوئی / مر گیا انتظار میں کوئی

چھوڑ سو کام آ پہنچ ساقی! / جاں بلب ہے خمار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا / سر رکھے اس کنار میں کوئی

مت گزر خاک پر شہیدوں کی / چین لے ٹک مزار میں کوئی

کیوں بیاں سیرِ باغ کی رخصت
نہیں دیتا بہار میں کوئی

۱۱۳

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے / لیکن اس کا نباہ مشکل ہے

ترکِ مشکل، نباہ مشکل ہے / سخت کافر یہ چاہ مشکل ہے

صلح اور جنگ تجھ کو سب آساں / مجھ کو ہر طرح آہ مشکل ہے

حال میرا نہ پوچھ عشق میں تو / گاہ آسان و گاہ مشکل ہے

بس کہ کج فہم تاکتے ہیں بیاں
اس پہ سیدھی نگاہ مشکل ہے

۱۱۴

تیغ چڑھ اس کی سان پر آئی / دیکھیں کس کس کی جان پر آئی

ہم بھی حاضر ہیں کھینچیے شمشیر / طبع گر امتحان پر آئی

ٹک شکایت کی اب اجازت ہو / نہیں رکتی زبان پر آئی

پوچھیے حالِ زار، یہ نہ کبھو / دلِ نامہربان پر آئی

دل ہمارا کہ گھر یہ تیرا تھا / کیوں شکست اس مکان پر آئی

کٹ گئی دود مانِ تاک کی ناک / دخترِ رز جب دکان پر آئی

ٹک تو ظالم سنبھال خنجر کیں　　کارد اب استخواں پر آئی
عالمِ جاں سے تو نہیں آیا　　ایک آفت جہان پر آئی

غیر کے آگے دل کی بات بیاںؔ
آہ میری زبان پر آئی

۱۱۵

کوئی سمجھائیو، یارو! مرا محبوب جاتا ہے　　مرا مقصود جاتا ہے، مرا مطلوب جاتا ہے
"مبارک ماہ کنعاں، اے زلیخا! چشمِ ما روشن"　　بس اتنی بات کہنے مصر میں یعقوب جاتا ہے
دعا کہہ کر چلا بندہ سلام آ کر کرے گا پھر　　خط آوے جب تلک تو بندگی سو خوب جاتا ہے
ہنر اپنے کیے ظاہر، اگر تجھ کو نہیں بھاتے　　تو اب سو عیب کا قائل ہو، یہ معیوب جاتا ہے

بیاںؔ جب میں بیاں کرتا ہوں یہ مضمون مضموں کا
"کبھو آنکھیں بھر آتی ہیں، کبھو جی ڈوب جاتا ہے"

۱۱۶

جرم کیا مجھ سے ہوا؟ وجہِ غضب فرمایئے　　یوں بھی میں حاضر ہوں، غصہ بے سبب فرمایئے
جاں فدا اپنی کریں، ہم وے ہیں، جب فرمایئے　　امتحاں منظور اگر ہووے تو اب فرمایئے
بندۂ فرماں ہیں ہم جو حکم ہو وہ ہی کہیں　　صبح کہیے شام کو یا دن کو شب فرمایئے
ایک بوسے کی طلب تو کی ہے گا ہے زیرِ لب　　با ادب کہیے مجھے یا بے ادب فرمایئے

جاو بیجا رات دن اتنا جو بکتا ہے بیاںؔ
آپ بھی آہستہ کچھ تو زیرِ لب فرمایئے

۱۱۷

چلتے چلتے میری حسرت پر نظر کرنی تو تھی　　ساتھ لے جانے سے میں گزرا، خبر کرنی تو تھی

گر نہ تھی رخصت کی فرصت جا کے کچھ کہہ بھیجتے　　　خاطر اس ناشاد کی، شاد اس قدر کرنی تو تھی
گر نہ تھا ہنس بولنے کا ڈھب تو اے کانِ حیا!　　　مسکرا کر ہی نگاہِ لطف ادھر کرنی تو تھی

اے محبت! یہ شکایت تجھ سے رکھتا ہے بیاںؔ
بارے کچھ تاثیر واں اے بے اثر کرنی تو تھی

۱۱۸

جس کو برا سمجھیے وہ ہی کہیں بھلا ہے　　　اک جا ہے زہرِ قاتل اور ایک جا دوا ہے
مہتاب کا دوانا کیوں اے قمر ہوا ہے؟　　　اے یار! فی الحقیقت تیرا ہی پرتوا ہے
سو کوس یا بغل میں، ہیں جس جگہ کہ بیٹھے　　　وہ پاس ہی ہیں جن کا آپس میں دل ملا ہے
سایے کی طرح میں بھی پھرتا ہوں ساتھ اس کے　　　وہ آفتابِ تاباں ہر چند بھاگتا ہے

بیگانگی بیاںؔ سے کیا بے مروتی ہے
دونوں جہاں میں اس کا اک تو ہی آشنا ہے

۱۱۹

اے کہ تیری دوستی مجھ کو بجائے جان ہے　　　جز کہوں ایمان کا یا کل یہی ایمان ہے
اس نگہ کے ہاتھ میں کس طرح کا چوگان ہے　　　سامنے آیا کہ بس مانندِ گو غلطان ہے
صف کی صف، مجلس کی مجلس فرش کر دینے کے تئیں　　　دیر یاں لگتی نہ دیکھی ہم نے بس اک آن ہے
دولتِ دیدار گھر بیٹھے یہاں روزی ہوئی　　　ایسی عیدِ فطر پر عید الضحیٰ قربان ہے
وہ کہ جس پر مال و جاں، ہے آرزو، کیجے نثار　　　آج میرے کلبۂ احزاں میں وہ مہمان ہے

عقل و دین و دل ہوئے آنے سے پہلے ہی تمام
دست و پا گم ہو گئے ہیں اب بیاںؔ حیران ہے

۱۲۰

پیش کش کیا کیجیے اور لائیے کیا رو برو　　　مال تو کیا مال ہے اور جان میں کیا جان ہے

شکر مقدم کے تو عہدے سے نکل سکتا نہیں — ہر قدم تیرے کا احسن بندۂ احسان ہے

اے کہ ملکِ شرع و دیں کا فخر تیری ذات سے — شاہ ابن شاہ تو سلطان بن سلطان ہے

ہاتھ پکڑا ہے تو یہ بھی عرض میری ہو قبول — مجھ کو مشکل ہے ترے نزدیک سب آسان ہے

یہ صفاتیں زندگی میں مجھ سے زائل ہوں تمام — یہ کہ جن میں دخل دیو و نفس اور شیطان ہے

مطلق آثار اپنی ہستی کے نہ کچھ باقی رہیں
ذات ہی رہ جائے باقی بس یہی ارمان ہے

١٢١

عشوہ ہے، ناز ہے غمزہ ہے ادا ہے کیا ہے؟ — قہر ہے سحر ہے جادو ہے بلا ہے کیا ہے؟

یار سے میری جو کرتے ہیں سفارش اغیار — مکر ہے، عذر ہے، قابو ہے، دغا ہے کیا ہے؟

تجھ کو کس نام سے، اے فخر مرے یاد کروں — باپ ہے، پیر ہے، مرشد ہے، خدا ہے کیا ہے؟

تم جو بے وجہ ستاتے ہو، مری جان! مجھے — خوب ہے، نیک ہے، بہتر ہے بھلا ہے کیا ہے؟

رو برو اس کے کبھو بات نہ سدھری ہم سے — حلم ہے، چین ہے، دہشت ہے، حیا ہے کیا ہے؟

نظم کو سُن کے مری ہنس کے یہ بولا وہ شوخ — مدح ہے، شکر ہے، شکوہ ہے، گلا ہے کیا ہے؟

یہ جو اس شوخ پہ کرتا ہے بیاں، جان نثار
خبط ہے، عشق ہے، سودا ہے، وفا ہے کیا ہے؟

١٢٢

ستم سے یار کے، سنتا ہے اے دل! آہ کیا کیجے — کسی بے درد کو اس درد سے آگاہ کیا کیجے

زلیخا جب بہ تنگ آتی تھی بدگویوں کے طعنوں سے — یہ کہتی تھی "عزیزو! باولی ہے چاہ کیا کیجے"

کیا سو بار ہم نے دخل جا کر دیر و کعبے میں — وے ملتی نہیں اس بت کے دل میں راہ کیا کیجے

ہوا میں ناتواں تنکے سے کچھ کم، آہ اس پر بھی — نہ کھینچے کہربا میرا اگر یہ کاہ کیا کیجے

بیاں سے جب میں کہتا ہوں کہ "تیرا یار بدخو ہے"
جواب اس کا مجھے دیتا ہے بھر کر آہ "کیا کیجے"

۱۲۳

جہاں روؤں تمنّا میں تری، اے شعلہ رو! پیارے
اگیں اس کل زمیں میں حشر تک جوں لالہ انگارے

قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے
اسے کہتے ہیں جیتا جو کوئی یاں نقدِ جاں ہارے

بغل میں یار اور میں فرشِ گل پر خواب کرتا تھا
بجھائے جاگ پڑنے نے مرے بستر پہ انگارے

نہ پوچھ، اے مہ! کہ کیونکر ہجر کی راتیں کٹیں تجھ بن
کبھو سوتے کبھو روتے، کبھو گنتے ہوئے تارے

بیاںؔ! اس ریختے پر تو کہیں جوں میرؔ مت کہنا
"یہ گو ہے اور یہ میداں، کوئی تو کہہ سکے بارے"

۱۲۴

نہ برسوں میں پوچھے تغافل کے صدقے
سدا نام بھولے تجاہل کے صدقے

ابھی وعدہ کر کر لگا سوچنے تو
نہیں یاد گویا، تأمّل کے صدقے

جلو میں پھریں ہیں پری زاد لڑکے
دوانے ترے اس تجمّل کے صدقے

تصوّر میں اس زلف و گیسو کے اکثر ق
جو ہوتا تھا ریحان و سنبل کے صدقے

مقابل جب آنکھوں کے یہ چہرہ دیکھے
نہ ہو کیونکہ اس زلف و کاکل کے صدقے

بیاںؔ مجھ کو بھایا یہ مصرع کسی کا
"سدا نام بھولے، تجاہل کے صدقے"

۱۲۵

خنک ہے بوالہوسوں کی یہ سانس ٹھنڈی سی
نہ سینے گرم چھپے ہے نہ پھانس ٹھنڈی سی

سمجھتے ہیں کہ ہوا گرم ہم سے بزمِ سخن
پڑھیں ہیں بیت اگر کھانس کھانس ٹھنڈی سی

جگر جلے پہ طباشیر ہی چھڑکتے ہیں
سدا رکھے ہے عجب ہی یہ بانس ٹھنڈی سی

غریبِ شہر کو گرمی میں ہے وہ خس خانہ
جو مٹھی بھر کہیں سر پر ہو گھاس ٹھنڈی سی

کوئی میں برف کی مانند اس زمیں میں تر و تر
جگت پھرے ہے بیاںؔ ٹھانس ٹھنڈی سی

۱۲۶

جو گل کی قفس میں خبر جائے گی — تو کیا سُن کے بلبل نہ مرجائے گی؟

نہیں آہ کرنا میں، اے ہم نشیں! — جو کیجے تو کیا، بے اثر جائے گی

سلگتی ہے آگ ایک مدت سے یاں — اس آتش کی گرمی کدھر جائے گی؟

بیاںؔ کا یہ پیغام لے جائیو — صبا اس کے کوچے میں گر جائے گی

جو ہم بن تمھاری گزرتی ہے خوش
ہماری بھی تم بن گزر جائے گی

۱۲۷

میں جانتا تھا وصل کی شب بھی دراز ہے — آنکھیں جو کھل گئیں تو درِ صبح باز ہے

سنتا ہے یار! قیمتِ دل تجھ سے کیا کہوں — آیا ہے جو پسند تو یوں ہی نیاز ہے

میخانے بیچ مست پڑے ہیں سجود میں — اس مسجد حرام میں اوندھی نماز ہے

غیروں کے ساتھ مجھ کو ملاتا ہے تو عبث — ان میں نہ گنیے کچھ بھی اگر امتیاز ہے

ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاںؔ
نا امید بھی نہ ہو کہ خدا کارساز ہے

۱۲۸

میری محنت پہ تیں نگاہ نہ کی — کبھو جھوٹی بھی واہ واہ نہ کی

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ — دل میں اس شوخ کے تو راہ نہ کی

اسی امید و بیم میں گزری — گاہ کی ان نے مہر، گاہ نہ کی

باز پس لے چلا ہوں جنسِ وفا — شہرِ خوباں میں اس کی چاہ نہ کی

آفریں صبر کو بیاںؔ تیرے
مر گیا ضبط سے، پر آہ نہ کی

۱۲۹

بتِ خود کام چلا جاتا ہے — صبر و آرام چلا جاتا ہے

کس کے مکھڑے سے خجل ہو خورشید — سرنگوں شام چلا جاتا ہے

عملِ نیک سدا رہتا ہے — جم نہیں جام چلا جاتا ہے

ہے کدھر قیس؟ کہاں ہے فرہاد؟ — عشق سے نام چلا جاتا ہے

جب کہ بوسے کی طلب کرتا ہوں — دے کے دشنام چلا جاتا ہے

کھائیے غیر کے طالع کی قسم — روز پیغام چلا جاتا ہے

عشق میں صبر کی دولت سے بیاںؔ

بارے کچھ کام چلا جاتا ہے

۱۳۰

وقت آخر ہے مرا، گو مجھ سے تو بیزار ہے — ایک بار اتنا تو آکر پوچھ کیا آزار ہے

گو حصارِ عقل مستحکم ہے خیبر سے ولے — عشق کہتے ہیں جسے وہ حیدرِ کرار ہے

ہے نپٹ کفرانِ نعمت اب تو شکوہ چرخ سے — یار کا کوچہ ہے، سر پر سایۂ دیوار ہے

زخمِ دل کے حق میں سبزی اس کے خط کی کیا کہوں — گرچہ مرہم ہے ولیکن مرہمِ زنگار ہے

آستیں دونوں جہاں سے جھاڑنی آساں ہے یک — یار کے دامن کو دینا ہاتھ سے دشوار ہے

اس دلِ وحشی کو نادانی سے سودائی نہ کہہ — ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

کفر گر موقوف اک تاگے پہ ہے تو شیخ جی — آپ کی تسبیح میں بھی بالمناً زنار ہے

آج ہی ہوتی قیامت مجھ کو آتی ہے نظر — گر یہی قامت ہے اس کی اور یہی رفتار ہے

یار حاضر ہے بیاںؔ اور مدعی ناظر نہیں

اب حیا کم بخت ناحق مانعِ دیدار ہے

۱۳۱

سر کو تجھ راہ میں دیے ہی بنے — فرض ہے یہ، ادا کیے ہی بنے

ہم تو وہ جام پی کے بگڑے ہیں — شیخ جی! تم تو بن پیے ہی بنے
جام اگر دیوے ساقیِ مہ وش — پارساؤں کو بھی لیے ہی بنے
داغ دل کے لگے نظر آنے — اب گریباں مجھے سیے ہی بنے

یار خوگر ہوا جفا سے بیاںؔ
مجھ بلاکش کو اب جیے ہی بنے

۱۳۲

نہ ہوں آنکھیں بھی واقف اس طرح کی چاہ کے صدقے — کسی کے کان تک پہنچے نہ ایسی آہ کے صدقے
فلک کے گردش وہ دورے سے ظاہر ہے کہ پیغمبر — گیا معراج کو، جاتا ہے یہ اس راہ کے صدقے
جب اچھی صورتیں دیکھو مصوّر یاد آتا ہے — یہ بت پیدا کیے جن نے میں اس اللہ کے صدقے
عبث ان جھوٹے وعدوں میں خدا کا نام لیتے ہو — میں اس "واللہ" کے قربان اور اس "باللہ" کے صدقے

نہ کچھ تدبیر جینے کی، نہ کچھ اندیشہ مرنے کا
بیاںؔ موت و حیاتِ مردمِ آگاہ کے صدقے

۱۳۳

مجھے غم سے اس واسطے پیار ہے — کہ میرے برے وقت کا یار ہے
کہاں یاں سے لے جاؤں میں جنسِ دل — جہاں ہے تجھی سا خریدار ہے
مری ناو پہنچی ہے آ مانجدھار — تری اک توجہ سے بس پار ہے
مرے یار سے کوئی اتنا کہو ق — کہ ظالم! بیاںؔ سخت بیمار ہے

خبر لے شتابی کہ مرتا ہے اب
پھر آوے نہ آوے وہ مختار ہے

۱۳۴

زمیں پر اس کے کوچے کی کریں ہم خوب آسائش
کوئی دن جبیں سے جو گردشِ افلاک رہنے دے

ہزاروں قصرِ جنت کے برابر میں سمجھتا ہوں
اگر گردونِ دوں آسودہ زیرِ خاک رہنے دے

فرشتوں کی عبادت کا مصلّٰی ہے مرا دامن
اگر آلودگیِ دنیا کی اس کو پاک رہنے دے

کبھو ناخوش نہ رکھتا تھا بیاں کے دل کو اے صارم
تجھے کس نے سکھایا اس قدر غمناک رہنے دے

۱۳۵

جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کریے
آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کریے

روزانہ رہے غافل، پچھتانے سے کیا حاصل
گو صبح سے تھے غافل، اب شام تو کچھ کریے

یا ہو جیسے افلاطوں یا عقل کو کھو مجنوں
دنیا میں بہرِ مضموں اک نام تو کچھ کریے

آیا وہ مہِ تاباں، جاں ہم نے کری قرباں
جب آوے کوئی مہماں اکرام تو کچھ کریے

آخر یہ بیاں، کب تک بیہودہ ترا بکیے
جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کریے

۱۳۶

وفا تیرے وعدوں میں، اے واہ دیکھی
بس اب صبر کب تک بہت راہ دیکھی

تری ہم نے تاثیر، اے آہ! دیکھی
نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

تجھے جنسِ انس، اے صنم! کیونکہ کہیے
یہ سنگیں دلی ہم نے اللہ دیکھی

خدا جانے آنکھوں نے کیا تجھ میں دیکھا
کوئی بات میں تو نہ دلخواہ دیکھی

پس از سالہا بھی کسو دن نہ پوچھا
تری مہر بس میں نے، اے ماہ! دیکھی

بیاں دعویِ عشق اور شکوہ کرنا
وفا کا ہوا امتحاں چاہ دیکھی

۱۳۷

آنسوؤں تک پونچھنے کی غیر کے تدبیر ہے — مجھ سے اتنا بھی نہیں کہتا کہ کیوں دل گیر ہے؟

کون، یارب، آج گلشن سے چلا ہے بے دماغ؟ — گل گریباں پھاڑتا ہے، خار دامن گیر ہے

ذبح کرتا ہے مجھے قاتل، شفاعت اک طرف — کوئی اتنا بھی نہیں کہتا کہ "بے تقصیر ہے"

آج کل میں دیکھ لیتا ہوں تری سنگیں دلی — آہ میں میری اگر اے یار! کچھ تاثیر ہے

چرخ کی برہم زنی سے یہ تعجب ہے بیاںؔ

لیلیٰ اور مجنوں کی یکجا اب ملک تصویر ہے

۱۳۸

اپنے نہ دامن میں گہر چاہیے — اشک کے قطروں میں اثر چاہیے

پائے طلب کھینچ کے بیٹھوں کہاں — خانہ نشینی کو بھی گھر چاہیے

دام میں جو شخص کہ اپنے پھنسے — اس کی کبھی لینی خبر چاہیے

دل تجھے جیسا کہ خدا نے دیا — مجھ کو بھی ویسا ہی جگر چاہیے

بس ہے بیاںؔ حسرتِ دیدار اور

کیا تجھے اب خاک بسر چاہیے

۱۳۹

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے — یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

جو اہلِ دل ہو تو ہو عشقِ شمع کے صدقے — ق — کہ ہجرِ صبح میں ہر رات جی جلاتی ہے

پھر آپ یہ نہیں رہتی ہے محو ہوتی ہے — نقاب چہرے سے اپنے وہ جب اُٹھاتی ہے

میں سچ کہوں تری کافر ادا نے مارا ہے — وگرنہ وضع تری، یار! کس کو بھاتی ہے

کیا ہے عجز نے میرے بیاںؔ اسے مغرور

مری وفا اسے جور و جفا سکھاتی ہے

۱۴۰

بار بار اس امر کی تحریک کیا، اے دل! مجھے
جز پشیمانی نہیں جس کام کا حاصل مجھے

قطع کرنا رشتۂ الفت کا، اے پیماں گسل!
ہے بہت آساں ترے نزدیک پر مشکل مجھے

بحرِ غم میں دست و پا ماروں ہوں پر اے آشنا!
سیکڑوں کوسوں نظر آتا نہیں ساحل مجھے

لے کر اس کوچے سے جاتا ہوں دلِ بیمار کو
ہر قدم پر آہ اب کرنی پڑی منزل مجھے

کون غیر از نا امیدی اب مری لے گا خبر
نیم بسمل چھوڑ کر جاتا ہے، اے قاتل! مجھے

کیا کہوں میں اپنے استعداد کی خوبی بیاںؔ
ناقصی کے فن میں جس نے کر دیا کامل مجھے

۱۴۱

زلف تیری نے پریشان کیا، یار! مجھے
تیری آنکھوں نے کیا آپ سا بیمار مجھے

دل بجھا جائے ہے اغیار کی شورش پہ مرا
سرد کرتی ہے تری گرمیِ بازار مجھے

عقل ہی موجبِ تکلیف ہوئی ہے ناداں
کر گئی بے خبری آ کے خبردار مجھے

تخت اور چتر سلاطین کو مبارک ہووے
بس ہے کوچے میں ترے سایۂ دیوار مجھے

جوں مثال اس کی نمودار ہوئی توں ہی بیاںؔ
طپشِ دل نے کیا خواب سے بیدار مجھے

۱۴۲

کہیو قاصد! بتِ خود کام سے، پھر صبح ہوئی
آج بھی جھوٹے ہی پیغام سے پھر صبح ہوئی

رات جھنجلا کے جب آنے کی توقع نہ رکھی
آہ مت پوچھ کس آرام سے پھر صبح ہوئی

اے صبا! یاد رہے منتظروں کا یہ پیام
کہیو اس میرے بھی گلفام سے پھر صبح ہوئی

سخت جانی کو میں اپنی تجھے کیا خاک لکھوں
تیری دوری میں مجھے شام سے پھر صبح ہوئی

دل میں باندھا گیا دن نکلے پہ آنے کا خیال
شب مجھے اس طمعِ خام سے پھر صبح ہوئی

شب نہیں اب کہ ترا بانگ پہ کاٹیں گے گلا — سر اٹھا مرغِ سحر دام سے پھر صبح ہوئی

رات دن ساغر و مینا ہی سے صحبت ہے مدام — شیشے سے شام ہوئی جام سے پھر صبح ہوئی

ابھی آیا ہے سرِ شام وہ مہ رو ہے غضب — دیکھنا کوئی لبِ بام سے پھر صبح ہوئی

بعد مدت کے شبِ وصل ہوئی تھی روزی — ہم نشیں گردشِ ایام سے پھر صبح ہوئی

رات دن اپنی تمنا ہی میں ہم خوش ہیں بیاںؔ
صبح سے شام ہوئی شام سے پھر صبح ہوئی

۱۴۳

ہاتھ لگ جانے سے خاطر تری دلگیر تو ہوئی — زلف الجھی تھی، میں سلجھا دیا، تقصیر تو ہوئی

آج آہِ سحری کی اسے تاثیر تو ہوئی — کچھ موافق مری تدبیر سے تقدیر تو ہوئی

غیر تسلیم نہ تھا شانِ ادب کے لایق — منہ پہ کچھ عرض کیا مجھ سے یہ تقریر تو ہوئی

نام پر بوسے کے دشنام تو دی، روٹھے کیوں — میری گستاخی کے لایق مجھے تعزیر تو ہوئی

زلف و کاکل کی نہ بے وجہ یہ سرگوشی تھی — دلِ وحشی کے لیے قید کی تدبیر تو ہوئی

کس سے پیغام بر اپنے کی خبر کو پوچھوں؟ — دل دھڑکتا ہے خدا خیر کرے دیر تو ہوئی

یہ مرا صدقِ مودت بھی کھلے گا آخر — آج اغیار کی ثابت اسے تزویر تو ہوئی

عشق میں گرچہ میں رسوائی چھپائی لیکن — اک منادی ہی فقط باقی ہے تشہیر تو ہوئی

دل میں اس کے مجھے جاگہ ہوئی رسوائی سے — خلق کی نظروں میں ہرچند کہ تحقیر تو ہوئی

درِ رحمت سے خدایا مجھے محروم نہ پھیر — بندۂ پیر ہوں گو تک آنے میں تاخیر تو ہوئی

دل بھی پہلو تہی اب مجھ سے بیاںؔ کرتا ہے
صحبتِ یار کی اتنی اسے تاثیر تو ہوئی

۱۴۴

پیش از خزاں ہی ہاتھ اٹھایا بہار سے — چھوڑا ہے میں شراب کو پہلے خمار سے

جوں شیشۂ شکستہ و تاکِ بریدہ، میں
عاجز ہوں اپنے گریۂ بے اختیار سے

یہ اُس سیاہ چشم سے جا کر کوئی کہے
آنکھیں بھی اب سفید ہوئیں انتظار سے

خوں ریزیوں کی مشق ہوئی ہے مگر شروع
کچھ ان دنوں میں ذوق بہت ہے شکار سے

باغِ جہاں کی سیر کئی صبح میں نے کی
پر کام ایک سے نہ رکھا، نے ہزار سے

پھاڑا نہ ایک گل کے گریباں کو جوں صبا
اٹکا دیا نہ اپنے بھی دامن کو خار سے

اشعارِ تر کا مرتبہ دوں ہے گر بیاں
تشبیہ ان کو دے گہرِ آبدار سے

۱۴۵

کھولیو کان باغ میں گل کے
کہ ہے گل چیں سراغ میں گل کے

پانی یہ باغباں نہیں دیتا
تیل دے ہے چراغ میں گل کے

کیا کہوں ان لبوں کی کیفیّت
مے ہے گویا ایاغ میں گل کے

اے خزاں! گر ہے خاطرِ بلبل
مت خلل کر فراغ میں گل کے

کس کی آمد ہے باغ میں کہ بیاں
تازگی ہے دماغ میں گل کے

۱۴۶

جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہے
وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے

"کیا ہے چوک مرا گھر" یہ کس سے کہتے ہو؟
کبھو کبھو یہی خانہ خراب آتا ہے

ہمیں بھی یاد ہے جیسی کہ کی ہے تم سے وفا
تمھیں کو اپنے کرم کا حساب آتا ہے؟

نہ دل بچا ہے نہ دیں، کیا نیاز کیجے گا؟
سنا ہے میں نے وہ عالی جناب آتا ہے

وہ مستِ بادۂ حسن اس طرح پھرے ہے بیاں
کہ تو کہے کوئی مستِ شراب آتا ہے

۱۴۷

جس کا نیکی میں نام باجے ہے
اس کی نوبت مدام باجے ہے

کوسِ رحلت کو آہ بے خبری
ہم نے سمجھا مقام باجے ہے

شہرِ دل پر چڑھی ہے عشق کی فوج
آج کل صبح و شام باجے ہے

سارے دکھن میں گھر بہ گھر نوبت
تیری دولت نظام باجے ہے

کبھی نوبت بیاں کی بھی پہنچے
وہ بھی تیرا غلام باجے ہے

۱۴۸

دل کو دیوانہ کیا زلفِ پری زادوں نے
مرغِ وحشی کو لیا دام میں صیّادوں نے

تجھ میں اے سروِ رواں! کیا ہے کہ مُنہ دیکھتے ہی
بندگی کا تری خط لکھ دیا آزادوں نے

جوئے شیر ایک بھی فرہاد سے آئی نہ تمام
ندّیاں خوں کی بہائیں ترے فرہادوں نے

ایسے قاتل کہیں دنیا میں نہ دیکھے نہ سنے
ہاتھ کو چوم لیا آن کے جلادوں نے

صبح کو اٹھ کے کیا اور ستم اس نے زیادہ
کچھ بھی تاثیر نہ کی رات کی فریادوں نے

ہچکیاں بے سبب آتی نہیں اے جانِ جہاں!
دل میں یہ تیرے ہجوم آ کے کیا یادوں نے

عیش کیا چیز ہے؟ آرام کسے کہتے ہیں؟
خواب میں بھی نہیں دیکھا ترے ناشادوں نے

بال و پر توڑ دیے جب لگے کرنے آزاد
آہ کیا قہر کیا ان ستم ایجادوں نے!

جب سے شاگرد ہوا حضرتِ مظہر کا بیاں
کیا شاگردی کا اقرار سب استادوں نے

۱۴۹

میں نہ اب تک اے بتِ محجوب سمجھا تھا تجھے
خوب سمجھا تھا تجھے! کیا خوب سمجھا تھا تجھے!

دل میں اپنے غور کرتا ہوں ترا منہ دیکھ دیکھ
کیا سمجھ کر طبع نے مرغوب سمجھا تھا تجھے

دل کی نادانی سے اب تک یہ خطا واقع ہوئی — میں تو کب کا، اے مرے محبوب! سمجھا تھا تجھے

غالب آنا عشق کا اے عقل اب کیا ہے عجب — میں تو پہلے روز ہی مغلوب سمجھا تھا تجھے

تیری بے صبری سے آخر اٹھ گیا پردہ بیاں
آہ وہ دیرآشنا ایوب سمجھا تھا تجھے

۱۵۰

بے حقیقت کو پی محقق جو ہو کے مست و خراب اچھلے — تو اس کی تقلید کر مقلد رکھی بن پیے ہی شراب اچھلے

فقط عبارت ہی تو نے ملا پڑھی ہے گر پڑ کے مدرسے میں — جو منکشف ہوئیں تجھ پہ معنی تو بند کر کر کتاب اچھلے

یہ گرم آنسو بدن پہ جب جا گریں تو اٹھتے ہیں ایسے چھالے — کہ بوند گرنے سے مُنہ کے پانی میں جس طرح سے حباب اچھلے

وہ ماہ پارہ ہماری جوشش سے گرم جتنا کہ بھاگتا ہے — کسی نے سیماب کو نہ دیکھا کہ آگ سے یوں شتاب اچھلے

یہ تیرے بسمل کے دل میں ظالم! تڑپ کی باقی رہی ہے حسرت — عجب نہیں ہے کہ بھوننے میں جو سیخ پر بھی کباب اچھلے

نہ کچھ وفا کی ہماری گنتی نہ کچھ ستم کا شمار اپنے — ذرا تو انصاف دل میں کیجے کہ بن کیے ہی حساب اچھلے

نہ ہو مصفا میں یہ کیونکہ عالی کہ عرش اعلیٰ ہے جن کا مبدا — بلند جتنا کہ ہووے منبع تو اوپر اتنا ہی آب اچھلے

صلاح دیتی ہے مجھ کو پیری کہ آ کوئی روز بیٹھ رہیے — کہ طفلی جب تک تھی خوب کودے جہاں تلک تھا شباب اچھلے

عجب بیاں کا یہ ریختہ ہے کہ قدرداں اس پہ ٹوٹتے ہیں
امید تو ہے یہ ایں متانت وزیر عالی جناب اچھلے

۱۵۱

چشموں سے تجھ بن امڈا یہ بے شمار پانی — طوفانِ نوح لیوے جس سے اُدھار پانی

دریائے اشک کا میں طغیان کیا بتاؤں — پہنچے نظر جہاں تک ہے وار پار پانی

رونے سے دل کی سوزش مطلق ہوئی نہ کچھ کم — ہرگز بجھی نہ آتش، چھڑکا ہزار پانی

جب ذکر اُس لبوں کا گزرے ہے ٹک زباں پر — آتا ہے مُنہ میں بھر بھر بے اختیار پانی

سوءِ ادب ہے لینا اس مُنہ پہ نام بوسہ — دل چاہتا ہے پیجے بس وار وار پانی

احبابِ کا گلہ تو کرتا نہیں مناسب　　آگ آپ ہی لگا کر ڈھونڈیں ہیں یار پانی

تعریف شعرِ تر کی لکھے بیاں کہاں تک
بھرتا ہے جس کے آگے ابرِ بہار پانی

۱۵۲

یا علی صدقے ترے کیا کیا مری کل بل ٹلی　　گُل بلا تجھ نام سے لے مظہر اکمل ٹلی

دل نے ہر اک تار سے زلفوں کے سودا کر لیا　　ایک دن مشاطہ جوں ہی آنکھ کی اوجھل ٹلی

یار کے عزمِ سفر کی مچ گئی تھی کھلبلی　　شکر اللہ ہٹ گیا غل اور وہ ہلچل ٹلی

عاشقی میں چین سے گر ایک دن گزرا تو کیا　　آج وہ آفت دھری ہے پھر جو سر سے کل ٹلی

خاک افتادوں کے سر کو رات ٹھکرا کر بہ زور　　صبح کو کہتا ہے، میری ناف، وہ چنچل ٹلی

تھان کی سی ہے طرح، چسپیدہ کے دل کو ہم　　نہ نہیں پھر بیٹھتی جس وقت اس کی سل ٹلی

کون ہے سوز و گدازِ عشق میں ثابت قدم　　ٹل گیا پروانہ پہلے، شمع یا اوّل ٹلی

فی الحقیقت آدمی سب کل کے پتلے ہیں یہاں
کیسے ہو جاتے ہیں بیکل ایک بھی جب کل ٹلی

۱۵۳

آئے بھی اور آغوش سے بھر رات نہ نکلے　　اب دیکھو کہیں اس کی مکافات نہ نکلے

تب لطف ہے کچھ بادہ کشی میں کہ وہ ساقی　　گھر سے مرے تا موسمِ برسات نہ نکلے

قسمت سے رقیب، آہ! ملا ہم کو سو ایسا　　گر ڈھونڈیے ایسا کوئی بدذات نہ نکلے

جس وقت کہ محفل میں مرا حال وہ پوچھے　　کیا قہر ہے جو مُنہ سے مرے بات نہ نکلے

گزرے ہے مری خاک سے نزدیک وہ انجان　　ڈرتا ہوں کہ تربت سے کہیں ہات نہ نکلے

کیفیت ان آنکھوں کی کوئی مجھ سے جو پوچھے　　ایسا کہیں دنیا میں خرابات نہ نکلے

جن کاموں کے ہم واسطے آئے تھے بیاں یاں
کچھ ہاتھ ہمارے سے وہ ہیہات نہ نکلے

۱۵۴

چھوڑے اپنا نہ کوئی آپ وطن پھرتا ہے — دانا پانی لیے پورب سے دکن پھرتا ہے

دیکھ ٹک آکے مرے سروِ چمن کو قمری — کبھو اس طرح ترا سرو چمن پھرتا ہے

اور اک زخم کی اُمّید پہ اس کا مقتول — پیچھو پیچھو لیے کاندھے پہ کفن پھرتا ہے

ہم سے بے وجہ جو ہر دن ہے نئی کج رَوشیِ — کیا ترا سر مگر، اے چرخِ کہن! پھرتا ہے

سنگِ طفلاں سے خوشی گر نہیں دیوانے کو — شہر کی گلیوں میں کیوں چھوڑ کے بن پھرتا ہے

سیرِ گلگشت میں اک لطف عجب ہوتا ہے — ق پان جب کھا کے مرا غنچہ دہن پھرتا ہے

گل کو منقار میں لے ہوتی ہے بلبل صدقے — چاہ سے آب نکل گردِ چمن پھرتا ہے

اب ترے ڈر سے تو جاتا ہے بیاںؔ خستہ جگر

عمر باقی ہے تو کچھ کر کے جتن پھرتا ہے

۱۵۵

عمر ہیہات چلی جاتی ہے — دن گیا رات چلی جاتی ہے

جب سے ہستی کی بچھی ہے شطرنج — بردیا مات چلی جاتی ہے

ہے کدھر قیس؟ کہاں ہے فرہاد؟ — عشق سے بات چلی جاتی ہے

جانِ جاں دل کو لیے جاتا ہے — جان بھی سات چلی جاتی ہے

گو کہ ہر لحظہ ہو تبدیلِ صفات — ہے وہی ذات چلی جاتی ہے

مان، کافر! کہیں من بھی جلدی — مفت میں رات چلی جاتی ہے

آ پہنچ یار! کریں بادہ کشی — ہائے برسات چلی جاتی ہے

اولیا گو ہیں بظاہر روپوش — پر کرامات چلی جاتی ہے

نیزہ بازوں کی طرح اس کی نگاہ — کر کے دو ہات چلی جاتی ہے

للہ الحمد کہ اب تک تو بیاںؔ — ق گزری اوقات چلی جاتی ہے

اپنے والی کی طرف سے، ہمدم!

ایک عنایات چلی جاتی ہے

آج ہم تیری گلی سے یار اپنے گھر چلے
آئے تھے کس شوق سے کیا حسرتیں لے کر چلے

ہے جلو میں فوجِ اشک اور آہ و نالوں کے علم
عشق کی دولت سے لے کر ساتھ اک لشکر چلے

ہم تو کہتے تھے کہ اس در سے نہ جاویں گے کبھو
گر یہی تیری خوشی ٹھہری، بہت بہتر چلے

دست گیری کا گماں جن دوستوں سے تھا ہمیں
روبرو اس کے نہ پوچھا یہ کہ تم کیدھر چلے

قطع الفت ہو بیاں کے دل کو یہ ممکن نہیں
گر خدا ناخواستہ آرا کبھو سر پر چلے

پوچھ نہ مجھ سے، ہم نشیں! کس لیے رنگ زرد ہے
سینے میں ایک اس طرف دست بخیر درد ہے

خواہ زنِ عزیز ہو، خواہ ہو قیس و کوہکن
کوچۂ عشق میں قدم جس نے رکھا وہ مرد ہے

گفتار سن کے اس کی طوطی کلام بھولے
رفتار دیکھ کر کبک اپنا خرام بھولے

آئے تھے ہم بغل میں لے کر گِلے کا دفتر
مُنہ دیکھتے ہی اس کا شکوہ تمام بھولے

کیا جانیے کیا یہ تری رفتار کرے گی
کس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کرے گی

اس چشم سے جز اس کے نہیں چشم توقع
بیمار کی صحبت ہمیں بیمار کرے گی

اے بلبل شوریدہ! نہ کہتے تھے بھلا ہم
آخر تجھے یہ الفتِ گل خوار کرے گی

تصوّر اس کا مری چشم تر سے کیا نکلے
بھلا جھڑی میں کوئی اپنے گھر سے کیا نکلے

فغانِ نیم شبی سے تو کچھ نہ نکلا کام
اب آگے دیکھیے آہِ سحر سے کیا نکلے؟

قضائے تیغ سے وابستہ جو رکھا ہو امر
یہ سینہ زوری ہے بیجا سپر سے کیا نکلے

سوائے ذبح کسی آن رات ہو یا دن
ہمارے ترک کا خنجر کمر سے کیا نکلے

ملا کی اور، رند کی رفتار اور ہے — یہ بحث اور ہی ہے وہ تکرار اور ہے
ہر چند نیمچا بھی ہے پیارے کے ہاتھ میں — مارا ہے جس سے مجھ کو وہ تروار اور ہے

ایک دن وہ تھے کہ جوں ہی صبح جاگے، آ گئے — مجھ کو گر آتا سُنا جلدی سے آگے آ گئے
غیر محفل میں، اگر وارد ہوئے ٹک بھول کر — نام سنتے ہی مرا بس واں سے بھاگے آ گئے
اتفاقاً ایک دو دن بعد اگر ملنا ہوا — دور ہی سے دوڑ کر چھاتی سے لاگے آ گئے

دل خبر دیتا ہے شاید آج ملتا ہے کوئی — غنچہ، امید اس گلشن میں کھلتا ہے کوئی

ہر چند یہ عاصی تو گنہگار بہت ہے — پر آس سے بخشش تری، اے یار! بہت ہے
پہنچا ہے مجھے مخبر صادق سے یہ مژدہ — تو جنس کا عصیاں کے خریدار بہت ہے
بدگو سے میں ڈرتا ہوں کہ مکّار بہت ہے — ہر چند کہ تو غافل و ہشیار بہت ہے

یارو! یہ دوستی سے تمہاری بعید ہے — میں یار سے بعید ہوں کہتے ہو عید ہے

گو مرا دشمن ایک عالم ہے — تو اگر دوست ہے تو کیا غم ہے

احباب اس کی نظروں میں سب مسخرے ہوئے — 'صاحب' سے 'جی' ہوئے تھے سو اب تو ارے ہوئے

بہ ہونے کی مجھ کو اے طبیب! آس نہیں ہے — جو میری دوا ہے سو ترے پاس نہیں ہے

اپنے بھی دل سے رقابت ہو گئی ہے اب مجھے — دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہے تجھے

منع تو کرتا ہے رونے سے مجھے اے ہم نشیں
تو ہی بتلا، کس طرح یہ آگ سینے کی بجھے

خدا تجھے مری آغوش سے جدا نہ کرے
یہ بات کہتے بھی دھڑکے ہے دل، خدا نہ کرے

نہ کہا حیا سے تو کیا ہوا، کہا صاف مُنہ پہ تو کیا رہی
نہ وہ حسن جس پہ وفا پھبے، نہ وہ آن ہے، نہ ادا رہی

وہ بت نہیں تو دیر کو ہرگز نہ جائیں گے
ہم بت کدے کو نور کی مسجد بنائیں گے
گر یوں ہی آسمان جلاوے گا تجھ بغیر
تو جیتے جی ہی اپنے زمیں میں سمائیں گے

نگاہوں کی زباں کو اہل محفل کوئی کیا جانے
مرے اور اس کے کیا کیا ہو گئیں باتیں، خدا جانے

کیا شال، کیا دوشالہ اک پشم جانتا ہے
درویش اپنی کملی جس وقت تانتا ہے

تم دیکھتے ہی منہ عاشق کا مضمون دو دیدۂ نم سمجھے
تصریح بیاں کچھ خوب نہیں، کچھ تم سمجھے، کچھ ہم سمجھے

مجھ کو جوں نقشِ قدم چھوڑ چلا جاتا ہے
ساتھ جانے کی نہ طاقت، نہ رہا جاتا ہے

رُباعیات

کاجل آنکھوں میں جب سے منظور ہوا
اور سرمہ حضورِ یار سے دور ہوا
روشن ہوئے یاں چراغ سے چشم و چراغ
واں جل کر خاک رشک سے طور ہوا

کیا فائدہ، اے یار! ترے آنے کا
میں ہجر کے ڈر سے لطف نہیں پانے کا
منظور ہے گر بندہ نوازی تجھ کو
اتنا کہہ لے کہ پھر نہیں جانے کا

سب دیکھیں گے جو کچھ کہ ہویدا ہوگا
اب ترا کون کون شیدا ہوگا
دعوائے محبت تو کریں گے لاکھوں
لیکن مجھ سا بشر نہ پیدا ہوگا

گرچہ تک کے بیدار وہ ہوتا ہیگا
عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچے کو صبا کہیو کہ آہستہ کھلے
زانو پہ مرے یار سوتا ہیگا

کہتے ہیں یار جو کہے سہیے سب
سہتے ہیں یار جو کہے سہیے سب
ہے بات تو یہ کہ اس کے کوچے میں ہم
رہتے ہیں، یار جو کہے سہیے سب

یارب کیا ہو گیا زمانے کو آج
سب چیز کا دیکھتا ہوں برعکس رواج

معشوق ہوئے ہیں سارے عاشق پیشہ
عاشق سب ہو گئے معشوق مزاج

کس نیند میں آج رات سوتی ہے صبح
کیوں جان مری مفت میں کھوتی ہے صبح
ہووے کی شام حشر کے دن کی بیاں
پر ہجر کی شب کی نہیں ہوتی ہے صبح

کیا زلف میں اُس شوخ کی تھی دیکی صبح
یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح
ٹک زلف کو میں ہاتھ لگایا کہ ادھر
ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

لوٹا خاروں نے باغِ آلِ احمد
آشفتہ کیا دماغِ آلِ احمد
ہو صبح کبھو نہ شامِ غم کی اس کے
گل جن نے کیا چراغِ آلِ احمد

از بس نہیں میں اپنی زباں پر قادر
اکثر ہوتی ہیں دل کی باتیں ظاہر
کہتا ہے وہ طفلِ شرمگیں جھنجلا کر
یارب عاشق نہ ہو کسی کا شاعر

مجھ بے کس کی عزیز کس کو خاطر
تا اس سے کہے کہ "اے ستم گر! کافر
یاں تجھ کو ہوئے سنگھار کرتے تو پہر
واں ہو بھی چکا ہے کام اس کا آخر"

کیا قتل پہ میرے تو نے باندھی ہے کمر
کیا قتل پہ میرے تو نے باندھی ہے کمر
باور آتا نہیں ہے مجھ کو اب تک
کیا قتل پہ میرے تو نے باندھی ہے کمر

اس نعمتِ دنیا کی نہیں مجھ کو ہوس
بھاتا نہیں ہرگز مجھے پس خوردہ کس
ہرگز نہ کرے قبول معدہ میرا
جس شہد کے اطراف میں بھٹکی ہو مگس

آگے تھے بھرے دل میں مرے نقشِ ہوس
اس عشق نے ایسا ورق الٹا ہے کہ بس
ہنستا تھا میں فریادِ غریباں پہ سدا
روتا ہوں جو سنتا ہوں اب آوازِ جرس

جس شخص کی ہو شان میں واردِ لولاک
مسکن تو ہووے اس کی اے مرکزِ خاک!
اس ذات سے یاں تک تو ہوا تجھ کو شرف
پھرتے ہیں ترے گرد ہمیشہ افلاک

وہ بوجھ کہ جس کو نہ کرے کوئی قبول
سب اس کے اٹھانے میں کریں حکم عدول
کی حضرتِ انساں نے اطاعت آکر
اب خواہ ظلوم نام رکھ خواہ جہول

اب پوچھے ہے اے یار! بیاں کا احوال
یعنی مری دوری سے ہے اس کا کیا حال
تو چھوڑ گیا تھا نقشِ پا کے مانند
وہ پانو اٹھاتے ہی ہوا تھا پامال

یارو! بتلاؤ کیجیے کیا اس کو
پھرتا ہی نہیں وہاں سے بھیجا جس کو
بھیجا تھا خبر کو اس کی میں نے قاصد
قاصد کی خبر کو بھیجیے اب کس کو

کیا شیشۂ دل چور ہوا ہے، یارو!
آنکھوں سے چُنا چاہیے ان ٹکڑوں کو
ٹوٹا تو بلا سے یہ خلش ہے اب تو
مت پاوے خیال یار کو ایذا ہو

وہ کیونکہ کہے سخن کو میرے نیکو
جو ہووے نہ مقبولِ نگاہ و ابرو
ایسے تو یہ شعر خوں چکاں ہیں کہ ابھی
کاغذ کو نچوڑیے تو ٹپکے ہے لہو

گر حشر میں میرے خوں کی پرسش ہو
اور یہ کہیں کس گنہ پہ مارا اس کو
جو اور جواب کچھ نہ آوے، اے یار!
اتنا کہیو کہ یہ اسی سے پوچھو

وہ مست مے حسن نہیں ہے آگاہ
کیا ظلم و ستم کرے ہے غمزے کی نگاہ
غارت اک شہر ناز و عشوہ نے کیا
افسوس نہیں فشون پرشاہ

ہم درد کو اپنے دل میں دیتے ہیں جگہ
ہمدرد کو اپنے دل میں دیتے ہیں جگہ
عشاق بجاں رکھتے ہیں محنت کو عزیز
ہم درد کو اپنے دل میں دیتے ہیں جگہ

گزری ہے مری عمر کرتے ہی گناہ
کیا گزرے گی مجھ پہ حشر میں یا اللہ
جن کاموں میں یاں کیے ہیں میں موئے سفید
وے کام کہیں واں نہ کریں روے سیاہ

کہتا ہوں جنابِ حق میں ڈرتے ڈرتے
مدت گزری دعائیں کرتے کرتے
ہے اس کی یہ قدرت کہ بیاںؔ سا محروم
منہ یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

آیا ہوں بتنگ دور رہتے رہتے
لوگوں سے تھکا پیام کہتے کہتے
روتا ہوں کہ سیلِ اشک جاری ہووے
پہنچوں میں گلی میں اس کی بہتے بہتے

کیا ظلم بیاںؔ وہ تند خو کرتا ہے
رسوا جو تو اس کو کوبہ کو کرتا ہے
کہتے تجھے کم بخت نہیں آتی شرم
یہ کس کی شکایت ہے کہ تو کرتا ہے

دوری ہی کے دن اپنی دکھائے ہوتے
تشریف مرے گھر میں نہ لائے ہوتے
آتے ہی یہ قصد ہے کہ جلدی جاؤں
ایسے آنے سے تم نہ آئے ہوتے

تشریف وہی آفتِ جاں لاتا ہے
اب مجھ سے تو ٹھہرا نہیں یاں جاتا ہے
تو جانِ بیاںؔ جو رہ سکے آپ میں رہ
وہ دیکھ کوئی ہوش رُبا جاتا ہے

گو حال سے میرے کوئی آگاہ کرے
ممکن ہی نہیں کہ مہر وہ ماہ کرے
پتھر ہو تو لگ سکے ہے اس میں ٹانکی
یاں دل ہی نہیں جس میں کوئی راہ کرے

طوفان سے جوشِ گل کے دل دھڑکے ہے
پانی سے یہ آگ اور بھی بھڑکے ہے
لہراتی ہوئی شاخ پہ جب کیجے نگاہ
گویا کہ شہید خوں میں پھڑکے ہے

ڈریے اس سے کہ جو خدا سے نہ ڈرے
تجھ سے کیوں کر نہ کوئی پرہیز کرے
یارب ایسے بھی آدمی ہوتے ہیں
پروا ہی نہیں کوئی جیے، کوئی مرے

جو ہاتھ ترے بکے نہ ظالم ہوتے
کیا پانو پسار کر ہم اپنے سوتے
اک روز، یہ سوجھتا ہے، تجھ بن پیارے
آنکھیں بھی نکل پڑیں گی روتے روتے

افسوس ہماری یوں ہی روتے گزری
نت دل کے غبارِ غم ہی دھوتے گزری
دیکھا نہ کبھو خواب میں اپنا یوسف
ہر چند تمام عمر سوتے گزری

کوچے میں ترے ہم سے بلکتے ہیں کئی
خاموش کئی پڑے ہیں بکتے ہیں کئی
حسرت میں دیدار کی تیرے ظالم!
مر گئے ہیں کئی اور سسکتے ہیں کئی

قاصد! تجھے حق رسائی اس تک جو دے
یہ کہہ کے غبار اس کے دل سے دھو دے
"ایسا ہی برا حال بیاں کا دیکھا
ظالم جو کبھو دیکھے تو تو بھی رو دے"

جی لے ہی کے یہ عشق کی تب چھوڑے ہے
جب کچھ نہ رہے نشان تب چھوڑے ہے
میں تو اس کے خیال کو چھوڑوں آج
لیکن اس کا خیال کب چھوڑے ہے

یارب مجھے اس نزع میں ٹک فرصت دے
گو اس کے عوض حشر میں پھر جاں مت دے
آیا ہے ابھی یار مری بالیں پر
اک آن کی اب مرگ مجھے مہلت دے

فوّارے کی تعریف بیاں کیا بولے
اک منہ ہے کہ جس سے خلق موتی رولے
یا چشمۂ حیواں پہ کھڑے حضرتِ خضر
کرتے ہیں غسل بال سر کے کھولے

فوّارے کو دیکھ کے شمع راتوں روئی
یاں تک کہ حسد میں جان اپنی کھوئی
کیا شستہ و رفتہ حسن ہے نام خدا
سہرا باندھے کھڑا ہے دولھا کوئی

مذکور ہے جب اپنے وہ شرماتا ہے
یہ مجھ سے کہے ہے اور اکتاتا ہے
"بس تھوڑی کہیں رباعیاں تو نے بیاں
اتنا بکنا بھی خوش نہیں آتا ہے"

وے دن گئے لوگوں نے سکھایا سو کیا
اب یہ ہے کہ جو طبع کو بھایا سو کیا
بہتیرے خیر خواہ بکتے ہی رہیں
صاحب زادے ہیں جی میں آیا سو کیا

در مبارکباد و سالگرہ حضور پر نور

یہ ذات کہ ہے رحمتِ حق کی تصویر
رکھّے دنیا میں تا ابد حقّ قدیر
ہوں سالگرہ کے رشتے میں اتنی گرہ
گنتے ہوئے خیر خواہ ہوں پیر کبیر

بہ جناب حضرت پیر و مرشد دام افضالہٗ

تجھ سے کوئی چاہتا ہے فیل اور فرس
رکھتا ہے کوئی نعیم و عقبیٰ کی ہوس

در مدح حضور پر نور

نوّابِ فلک جناب خورشید مثال — اس دستِ مبارک میں کماں ہے فی الحال
سب حلقہ بگوش آج ہو ویں قرباں — ہے پنجۂ خورشید میں گویا کہ ہلال

در تعریف خضاب عالمگیر بادشاہ

اے قبلۂ آفاق باشہِ والا جاہ — کیا خوب ہوا خضاب کرنا باللہ
میں روئے مقدس کو کہا تھا کعبہ — بس چاہیے لباس ہو کعبے کا سیاہ

مخمس بر ریختہ مرزا رفیع السوداؒ

اب کہ بحر و بر میں گریے کی ہمارے دھاک ہے — ابر سے ہم چشم ہونے میں ہمیں کیا باک ہے
جانتا ہے وہ جسے کچھ ہوش اور ادراک ہے — خشک ہونے سے ہمارا دیدۂ تر پاک ہے
جوں حباب اس گھر میں جب دیکھو ہوا نمناک ہے

وے گئے دن تجھ میں ہم پاتے تھے اوصافِ مَلک — جلوۂ قدوسی اب ٹھہری ہے تیغے کی جھلک
ان دنوں میں ظلم کا پہنچا ہے رتبہ یاں تلک — رات یہ کہتا تھا، ظالم مجھ کو جلّادِ فلک
"یار میں تیرے ہے سب خوبی پر اک سفّاک ہے"

تھے ہم اوّل بھی عدم، آخر بھی ہوویں گے عدم — نیست اور نابود ہونے سے نہیں کچھ اپنے غم
کیوں دکھاتی ہے، زمیں، تو رات دن اپنا شکم؟ — منہ پسارے کیا پھرے ہے؟ اے فلک! سمجھیں ہیں ہم
ایک دن تیرا دہاں اور اپنی مشتِ خاک ہے

جز و ناری تجھ میں یہ غالب ہے، اے مہر اشتباہ — پر جلیں مرغِ نظر کے گر کرے کوئی نگاہ
ڈر سے تیرے سنگ میں آتش نے لی جا کر پناہ — تند خوئی سے تری از بس پھرے ہے دادخواہ
جس جگہ دیکھوں ہوں شعلے کا گریباں چاک ہے

ہے صراط المستقیم شرع راہِ بے خلل — ہے وہ گم رہ جو کہ اس جادے سے جاتا ہے نکل
آپ کج رو ہو کے اوروں کو نہ بہکا، اے دغل — رہنمائی خلق کی چاہے تو راہِ کج نہ چل
شیخ ہونے سے عصا محروم چوبِ تاک ہے

ہاتھ سے اغیار کے ہم نے بیاں کاٹا ہے جوگ — مرنے سے پہلے ہی بعضے بدشگوں کرتے ہیں سوگ
ہیں گھروں میں منتظر، اب یاں تلک پہنچا ہے روگ — کیا لکھوں حالِ تباہ اپنا کہ سودا وہ جو لوگ
چاہتے تھے یہ دن ان کی یاں سے واں تک دھاک ہے

مخمس بر غزل انعام اللہ خاں یقین

یہ بے لحاظ باتیں کس نے سکھائیاں ہیں	ہر وقت ہاتھ اٹھانا کیا بد ادائیاں ہیں
بے طوریاں پیارے کتنی چھپائیاں ہیں	گالی بھی پی گئے ہیں، ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

سبزہ مدام ہو جو سر سبز بر لبِ جو	گل کو ہمیشہ ہونا یہ رنگ اور یہ بُو
بلبل کے زمزمے یاں تا روز حشر رہیو	ہم تو چلے پہ یارب آباد رکھیو ان کو
ان باغوں میں کیا کیا دھومیں مچائیاں ہیں

بندِ قبا اگر اپنے وہ نازنیں کھلاتا	تو پیرہن میں کوئی پھولا نہ پھر سماتا
وہ جامہ زیب اپنی ایڑی نہیں دکھاتا	ایسا دراز دامن نئیں ہاتھ ان کے آتا
بختوں کی عاشقوں کے کیا نارسائیاں ہیں

لازم ہے عاشقی میں اپنی خودی سے لڑنا	دنیا میں سر نوانا عالم کے پانو پڑنا
یہ پڑھ کے کوہ کن کے اک ڈھول سر میں جڑنا	خسرو کے مُنہ پہ چڑھنا اور بے ستوں سے اڑنا
کچھ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں

مظہر کی بندگی میں ہے اب میاں بھی حاضر	وہ خوب جانتا ہے جیسے ہیں آپ شاعر
یہ اپنے حق میں صاحب کرتے عبث ہیں ظاہر	حق کو یقیں کے یارو! بر باد مت دو آخر
تم نے سخن کی طرزیں اس سے اڑائیاں ہیں

مخمس

میری دشمن ہوئی شبِ مہتاب	کیوں پیا میں نے جامِ بادۂ ناب
دیکھیے کیونکر اب ہو رفعِ حجاب	آں کہ شب داد توبہ ام ز شراب
اشبم باز دید مست و خراب

مخمس برابیات نعمت خاں

اگرچہ ہم کو میسر ہے اس قدر کاغذ
کہ لکھ کے بھیجیے روداد کا ادھر کاغذ
ولیک جی میں یہ آتا ہے دیکھ کر کاغذ
زسوز سینہ چہ انشا کنیم بر کاغذ
کہ شعلہ را نتوانیم بست در کاغذ

خدا کے واسطے "لکھ لکھ" مجھے نہ کہہ ہمدم!
کروں میں کس طرح احوالِ دل کو اپنے رقم؛
کہوں گا اس کو دکھا کر یہ جیب و دامن نم
مکن زمن گلہ، ایں کہ نامہ ننوشتم
اماں نہ یافت بدستم زچشم تر کاغذ

دعائیہ حضور پرنور فی سنہ یک ہزار و دو صد و دہ ہجری در ایام آوارہ شدہ رفتن عالی جاہ بہ اورنگ آباد

مخالف ہمیشہ ترا خوار رہیو
مرض سے شقاوت کے بیمار رہیو
سزائے عمل میں گرفتار رہیو
چمن تیری دولت کا بے خار رہیو
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

زمیں آسماں جب تلک ہے خدایا
رہے عاطفت کا تری ہم پہ سایا
عجب پاک گوہر خدا نے بنایا
کسو میں نہیں ہے جو کچھ تجھ میں پایا
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

جو بدخواہ تیرا ہو کھینچے ندامت
کرے نیست و نابود اسے اس کی شامت
خدا تجھ کو قائم رکھے تاقیامت
ہزاروں برس تک تو رہیو سلامت
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

مبارک تجھی کو رہے یہ ریاست ترقی میں ہو جو تری عمر و دولت
سدا تو ہی رہیو خداوند نعمت طفیل رسالت بعونِ ولایت
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

وہ دستورِ اعظم، نگہبان مسند کہ سو جاں سے ہوتا تھا قربان مسند
خدا اس کو پھر لائے پایان مسند کہ ہے موجبِ شوکت و شان مسند
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

یہ ذاتِ مقدس کہ ہے جلوہ فرما جہاں میں ہمیشہ رہے رونق افزا
الٰہی ہمیں اور کا منھ نہ دکھلا بیاںؔ کو شب و روز ہے یہ تمنّا
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

مسدس

وصل کی شب کی کیفیت، کیا کروں، دوستو! رقم — پہلے تو آدھی رات تک روٹھ رہا تھا وہ صن
بارے بہت سی منتیں کر کے ملے تھے ٹک بہم — گردش چرخ نے کیا ہائے یہ ظلم یہ ستم

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت

روے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں! زور مزے کی رات تھی — عید کے دن کی چہل بھی ان کے حضور مات تھ
عشرت و عیش اور خوشی اس کے سوا نہ بات تھی — توسنِ چرخ کی عناں حیف نہ میرے ہات تھ

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت

روے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

رات تھی یا شب برات یا شب قدر تھی وہ رات — ساغرِ مے بہ دستِ یار زلفوں میں اس کے میرے ہا
نکلیں تھیں ساری خواہشیں کرتے تھے کھل کے دل کی بات — اتنے میں کی یہ دشمنی دَورِ فلک نے میرے سات

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت

روے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کتنے دنوں کے بعد رات وہ مہِ عنبریں نقاب — لطف سے میرے گھر میں آ بارے ہوا تھا بے حجاب
عرصۂ شب ہوا تمام کیا کہوں کس قدر شتاب — توڑوں فلک کی چھت کو میں پھوڑوں یہ قرصِ آفتا

صبح دمید، شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت

روے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کیا کہوں تم سے، دوستو! کیونکہ کٹی ہے آج شب — پہلے جو کچھ کہ عیش تھے ہائے نہ پوچھ مجھ سے اب

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

یارو! نہ تم سے ہو سکا اس کو کہو کہ "جا نہ تو" — تھا میں کہا کہ کیجیے طعن آپ ہی کیوں کہا نہ تو
اے فلک ستیزہ کار! ہو لے ذرا پھرا نہ تو — شمس کو بھی نہ یہ کہا "شرق سے مُنہ دکھا نہ تو"

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

اوّل شام ہی سے میں جان جہاں کے تئیں بلائے — کتنے پیامبر گئے، تب کہیں منّتوں سے آئے
پھر تو عجب سماں بندھا بزمِ طرب جب آجمائے — مجلس عیش کو مری کس کی نظر لگی یہ ہائے

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

شام سے تھا یہ دغدغہ عہد فلک دغا نہ دے — آکے نسیم صبح کی ہم کو کہیں جگا نہ دے
مت کہیں مرغ بانگ دے کوئی گجر بجا نہ دے — ہووے کب ایسی شب بیاں جب تئیں پھر خدا نہ دے

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

ہجر کی جس کو ہو طپش وہ نہ جلے تو کیا کرے — ہے یہ بلائے بد، خدا اس میں نہ مبتلا کرے
آٹھ پہر بغل میں تو یوں ہی رہے خدا کرے — خوش ہیں جو اپنے یار ساتھ ان کے بلا پھرا کرے

صبح دمید، شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

مُسدّس در مدح نواب آصف جاہ نظام الملک میر نظام علیخان بہادر رستم دوران ملظلہ العالی

یا الٰہی تا قیامت فتح و نصرت ہم رکاب — اس در دولت کے بداندیش کا خانہ خراب
آتش دوزخ میں ہو بدخواہ کا سینہ کباب — خیرخواہوں کی دعا کیسی ہوئی یہ مستجاب

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست، اے عالی جناب!

غلغلہ اس فتح کا ہے شرق سے لے غرب تک
دھوم ہے لشکر کشی کی شش جہت بے شبہ و شک
آج یہ سب کی زباں پر ہے سما سے تا سمک
آدمی کیا بلکہ اب کہتے ہیں سب جن و ملک

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست، اے عالی جناب!

خاندانِ آصفی کا ہے مؤید کردگار
مرہٹے انگریز تھے یاں کی مدد سے استوار
تھا اسی تائید سے میداں میں دونوں کو قرار
نام کی ہیبت سے آخر کر گیا ٹیپو فرار

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست، اے عالی جناب!

اعظم الامرا کی اس تدبیر پر صد آفریں
جب کہ وہ پسپا ہوا تب رکھ لیا اس کے تئیں
اس کی سلطانی کی نخوت کا کیا سر بر زمیں
جس جگہ دیکھو یہی مذکور ہے اب ہر کہیں

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست، اے عالی جناب!

رستم دوراں میں اور رستم فقط میں فرق ہے
فرق بھی کیسا کہ جیسا غرب سے لے شرق ہے
حق میں دشمن کے نگاہ قہر یاں کی برق ہے
ٹک ادھر دیکھا کہ بس تحت الثریٰ میں غرق ہے

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست، اے عالی جناب!

رستم اپنی پہلوانی کا فقط رکھتا تھا نام
رستمی اس کی اسی کے رو برو تھی بس تمام
ذات اقدس وہ ہے جس سے کانپتا ہے روم و شام
بس بیاں اتنے ہی پر کرتا ہے اب ختم کلام

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

عرض آداب بجناب حضرت پیغمبر علیہ السلام و آلہ الکرام

اوّل تو مصطفیٰ کو آداب عرض کیجو — سلطانِ انبیا کو آداب عرض کیجو

پھر بعد یاں سے جلدی جا کر ادھر نجف میں — سالارِ اولیا کو آداب عرض کیجو

پردے سے اوٹ رہ کر عصمت ہے جن کی لونڈی — اس صاحبِ حیا کو آداب عرض کیجو

خلقِ حسن سے جن کے دونوں جہاں بھرے ہیں — اس شاہ اصفیا کو آداب عرض کیجو

پھر بعد یاں سے جا کر اس خاکِ خوں چکاں پر — اس راضیِ رضا کو آداب عرض کیجو

وہ جن کا نام لیتے ہوتے ہیں دل کے ٹکڑے — اس صابرِ بلا کو آداب عرض کیجو

شاہِ شہید کے ساتھ جتنوں نے سر کٹایا — سب اہلِ کربلا کو آداب عرض کیجو

زین العباد و باقر جعفر امام صادق — ہر ایک مقتدا کو آداب عرض کیجو

حضرت امام موسیٰ کاظم کو کر کے تسلیم — پھر موسیِ رضا کو آداب عرض کیجو

حضرت نقی کو پہلے پھر حضرتِ تقی کو — بحرین کبریا کو آداب عرض کیجو

قدموں پہ عسکری کے سر عجز کا نوا کر — مہدیِ رہنما کو آداب عرض کیجو

بادِ صبا یہ تجھ سے پیغام ہے بیاںؔ کا
سب آلِ مصطفیٰ کو آداب عرض کیجو

مرثیہ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام

برہنہ تیغ نہیں جب حرم میں جاتے تھے | تب اہلِ بیت پیمبر انھیں سناتے تھے
بھلا کبھو حرمِ محترم میں آتے تھے | نبی کی آل سے یا خوں کبھی بہاتے تھے

کری ہے روزِ جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

نہ لائے منہ پہ حیا سے رسول کے احفاد | کہ تا خجل نہ ہو اپنے کیے سے ابنِ زیاد
کبھو زباں پہ کچھ آیا تو یہ کیا ارشاد | "اسی لیے ہمیں کوفے میں تم بلاتے تھے؟"

کری ہے روزِ جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

کہاں ہے وہ سگِ ناپاک ابنِ سعد عمر | کوئی کہے اسے، اے بے حیا! خدا سے ڈر
یہ وہ جناب ہے جس کے درِ مبارک پر | بدون اذن ملایک نہ بار پاتے تھے

کری ہے روزِ جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

وہ جس کی شان میں نازل ہے آیہ تطہیر | وہ جن کے واسطے اتری عبا بہ قومِ شریر
انھیں یہ شام کو جب لے چلے تھے کر کے اسیر | روانہ پا کے دے ہاتھوں سے منہ چھپاتے تھے

کری ہے روزِ جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

ادب سے سامنے جس کے نہ ہو دے چرخ کھڑا | غضب تو دیکھو مقابل ہو یہ پلید لڑا
[illegible] پڑا | وہ جس کو چھاتی پر اپنی نبی سلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

زمیں پہ جب کہ گرا وہ امام جن و بشر — رہا یہ گنبد گردوں بہ جاے خود کیوں کر
انھوں کے واسطے ہے آج خاک و خوں بستر — جنھوں کے مہد کو روح الامیں ہلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

یتیم ظلم کو ان ناکسوں کے جب سہتے — جنھوں کی آنکھ سے دُرِّ یتیم تب بہتے
ستم گروں کی طرف دیکھ اس قدر کہتے — کہ کل کی بات ہے امت میں ہم کہاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

ستم تو دیکھو کہ محکوم ہو کے جیوے وے — ہمیشہ خوف سے ہونٹوں کو اپنے سیوے وے
سواے اشک کے پانی نہ تھا کہ پیوے وے — عوض طعام کے دن رات غم کو کھاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

ذات قبضے میں کر اپنے یوں کہیں ہیں لعیں — ہمارے پاس تو پانی جز آبِ تیغ نہیں
پیاسے ہو تو پیو اپنے آنسوؤں کے تئیں — تب اپنے ہونٹوں کو وہ تشنہ لب دکھاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

کریں سلوک یہ بد ذات آلِ اطہر سے — رکھیں امیدِ شفاعت کی پھر پیمبر سے
مگر نہ تھا انھیں کچھ خوف روزِ محشر سے — نبی کی آل کو جو اس قدر ستاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

بیاں زیادہ اب اس سے تو میں کہوں کیونکر — ادب سے دور ہے تفسیر اس کی کیجے اگر

جنھوں کا نقشِ قدم چشمِ غلق سے بہتر
برہنہ پا انھیں یہ بے حیا پھراتے تھے
کری ہے روزِ جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

مرثیہ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام

گیا یہ کون دنیا سے نراسا
لیا جنگل میں جا کر کن نے باسا
گلا کاٹا گیا کس کا پیاسا
رسول اللہ کا پیارا نواسا
ادب کہتا ہے تو کچھ مت بیاں کر
محبت بولتی ہے سب عیاں کر

پیمبر کی ہوئی جس وقت رحلت
گئیں جنّت میں جب خاتونِ جنت
علی کی بھی ہوئی ثابت شہادت
حسن بھی ہو چکے دنیا سے رخصت
اکیلا پا کے آلِ مصطفیٰ کو
دیے یہ دکھ حسینِ مجتبیٰ کو

دغا کے خط لکھے اہلِ خطا نے
دغا ظاہر کی قومِ بے وفا نے
ابا مطلق نہ کی آلِ عبا نے
کیا باور سب ابنِ مرتضا نے
کہ ہیں نانا کی آخر اپنے امت
نہیں یہ عذر سے اقرار بیعت

چلا اس شہر سے جس وقت وہ ماہ
سب اہلِ بیت جوں انجم تھے ہمراہ
مدینے میں اٹھی اک نالہ و آہ
کہ جاتا ہے کہاں، اے دین کے شاہ
در و دیوار سب کرتے ہیں فریاد
ہوئی ہے صبر کی بنیاد برباد

دلاسا دے ہوئے رخصت وطن سے — کہ جیسے گل جدا ہووے چمن سے
کیا یوسف کو عریاں پیرہن سے — نکالا روح کو گویا کہ تن سے

غرض رخصت ہوا سالار دیں کا
مصمّم قصد کر کے اس زمیں کا

چلے منزل بہ منزل کربلا کو — کیا مختارِ کار اپنا رضا کو
خبر پہنچی ادھر اہل دغا کو — لکھا واں شام میں اس بے حیا کو

کہ سید کو کیا تزویر سے صید
کریں اب ذبح یا اس کو رکھیں قید

ادھر ہفتاد و دو تن تھے تمامی — ہزاروں اس طرف کوفی و شامی
وہ تا سردار سب مشہور و نامی — کیا موقوف اقرار غلامی

دغا دے کر مدینے سے بلایا
اکیلا کر کے یاں کیسا ستایا

اگرچہ یاں بہت تعداد تھا کم — رہے ثابت قدم سلطان عالم
کیا کس طرح اس مصحف کو برہم! — مٹایا کیوں کہ وہ نقشِ مکرم!

رکھوں کس منہ سے ان پر نام امّت
زہے امّت، زہے اسلام امّت

لکھا اس بے حیا نے شام سے یہ — ”نہ نکلے سیّد اپنے دام سے یہ
مجھے منظور ہے اس کام سے یہ — خلاصہ ہے مرے پیغام سے یہ

کہ آ کر پاس میرے سر نوا دیں
حضورِ خلق بیعت کر کے جا دیں“

والّا کاٹ لا دیں سر بہر طور — نہیں ہے دوسری تدبیر کچھ اور
شقی نے دل میں اپنے کچھ نہ کی غور — نہیں دنیا میں اب تک یہ ہوا جور

گریں یکبارگی نہ سقف گردوں
کہ بیعت ان سے چاہے ابن ملعوں

غضب دیکھو نواسے کو نبی کے
قیامت ہے کہ بیٹے کو وصی کے
یہ ہوں بیہودہ پیغام اس شقی کے
کردں مذکور کیا اس بے کسی کے

قیامت ہے غضب ہے، بے بسی ہے
نبی کی آل پر کیا بے کسی ہے

سُنا جس وقت یہ سرور نے پیغام
کہ بیعت چاہتا ہے حاکمِ شام
حقارت سے ہماری ہے اسے کام
نہیں منظور کچھ اعزاز و اکرام

یہ فرمایا کہ اتنا رحم کیجے
ہمیں اپنے وطن کی راہ دیجے

سنا ابنِ زیاد، اس بے حیا نے
کہ رخصت چاہی ابن مرتضا نے
کہا فی الفور امیر اشقیا نے
کہ "اب ہرگز نہ دیجے ان کو جانے"

سبھی سردار لشکر کے بلاکر
کہا "جیتے نہ جانے پادیں سرور"

ہزار اور ایک کی ہو کیا لڑائی
قضا جامِ شہادت لے کے آئی
حیائی چشم ظاہر سے اٹھائی
فرات اوّل شہ دیں سے چھڑائی

پیاسے کر کے مارے آلِ اطہر
جنھوں کا باپ ہے ساقیِ کوثر

زیادہ سن کے کیفیت کو یاں کی
پھٹی جاتی ہے چھاتی انس و جاں کی
قلم کی طرح حالت ہے زباں کی
مفصل تر نہیں طاقت بیاں کی

خداوندا! بحق پاک مرداں
مرادر سایہ اش محشور گرداں

قصیدہ در منقبت امیر المومنین علیہ السلام

کیا سخن کا مرتبہ پہنچا ہے اب نام خدا
عالمِ بالا سے ہوا اس گفتگو پر مرحبا

موتیوں سے کیوں کہ دوں تشبیہ اپنی نظم کو
گوہرِ شہوار نے اتنی کہاں پائی صفا

آبداری میں برابر گو کروں میں لعل سے
تو روانی میں ہے اس پتھر کو نسبت ان سے کیا

غرق دریا میں خجالت سے ہوئے دُرِّ یتیم
دیکھ کر رتبہ ہماری خانہ زادِ طبع کا

سنگ ہی کے دل میں کچھ جا گہ رہی ہو لعل کی
ورنہ جوں خونِ سرشک آنکھوں سے مردم کے گرا

لعل و گوہر کب سخن کے روبرو رکھتے ہیں قدر
چشمِ بینش ہیں انھوں کی جن کو ہے فہم و ذکا

روشنیِ طبع کو کچھ مہر و مہ سے تھی مثال
سو نہ پایا ایک حالت پر انھیں میں نے سدا

کم ہے اس کے وصف میں جتنا زیادہ میں لکھوں
پر نہیں تعریف اپنی اپنے منہ سے خوش نما

صفحۂ کاغذ پہ جب سے یہ غزل میں نے لکھی
شاعری پر ناز کرتے ہیں مری ارض و سما

کس کے مقدم کی خوشی میں شاد پھرتی ہو صبا
رشکِ فردوسِ بریں صحنِ چمن کیوں ہو گیا

جھانکتی ہیں ڈالیاں دیوار سے جھک جھک مگر
آج گلشن کی طرف آتا ہے وہ گلگوں قبا

رنگ منہدی کا فقط ہاتھوں پہ اس کے یہ نہیں
عاشقوں کے خون میں شاید کہ گوندھی ہے حنا

عشق کی تپ نے کیا کاہیدہ اب یاں تک مجھے
کھینچ لے جاتا ہے مجھ کو جا سے جذبِ کہربا

کیوں ترے ہوتے کہا بدعہد میں نے گل کو ہائے
بے تمیزی پر مری ہنستا ہو وہ اے بے وفا!

ناز پاشی قیس پر کیوں اس قدر کرتی ہے ریگ
ناقۂ لیلیٰ کا صحرا میں گزر شاید ہوا

گلستاں میں بھی نہیں کھلتی مرے دل کی گرہ
غنچہ ساں ہر چند میں نے کی صبا سے التجا

یہ غزل اتمام تک پہنچی کہ اک مرد فضول
راہ خوش طبعی سے میرے حق میں یہ کہنے لگا

اس غزل پر تو تجھے پھبتا نہیں اتنا غرور
اس قدر افراط کو انصاف کر کہتے ہیں کیا!

یہ نہ سمجھا وہ کہ اس تعریف کا ہے کیا سبب
یہ نہ جانا فخر میں نے کس بھروسے پر کیا

جس قدر بالا پری کیجیے سبھی دیتی ہے زیب
کونسی تعریف ہے اتنا اگر میں نے کہا

بلکہ اپنی قدر سے غافل ہوں یہ کیا فخر ہے
میں تو کہلاتا ہوں مدّاحِ علیِّ مرتضیٰ

وہ علیِ مرتضیٰ کرتا ہوں جب اس کی ثنا
عرش کے باشندگاں تک بولتے ہیں 'مرحبا!'

وہ علیِ مرتضیٰ ادنیٰ ہے جس کا معجزہ
چیر ڈالا تھا طفولیت میں کام اژدہا

وہ علیِ مرتضیٰ جس کو ملی ہے ذوالفقار
وہ کہ خاص اس کی سواری کو ہوا دلدل عطا

شیر سے جس نے چھڑایا دشت میں سلمان کو
ایک حملے میں کیا جن نے درِ خیبر کو وا

وہ علیِ مرتضیٰ تھی عقد میں جس کے بتول
یعنی خاتونِ قیامت فاطمہ خیر النسا

جس کے یہ فرزند عالی قدر والا منزلت
نور بخشِ مہر و مہ، بحرِ کرم، کانِ سخا

شاربِ زہرِ ہلاہل، صابرِ رنج و تعب
کشتۂ شمشیر و خنجر، خستۂ کرب و بلا

آدم و حوا کی خلقت کو ہوا اس سے شرف
موجبِ ایجادِ عالم مظہرِ ذاتِ خدا

جس کے حق میں خود جنابِ مصطفیٰ کی ہے حدیث
جس کا مولا میں ہوں، ہے مولا علی مرتضیٰ

آسماں پر دستِ قدرت نے لکھی ہے اسکی مدح
ناسمجھ جس کے تئیں کہتے ہیں خطِّ استوا

یہ حماقت ہے کہ ہوتے اس جنابِ پاک کے
کیجے گلشن میں جا بادِ صبا سے التجا

غنچۂ دل کو مرے وا کر سکے کیوں کر صبا
کس سے یہ عقدہ کھلے جز ناخنِ مشکل کشا

جب سے اس کی تیغ سے تشبیہ دی ہے برق کو
آسماں پر ان نے رہنے کے لیے پائی ہے جا

یہ نہ کہتے، اے عدوے بے خبر! ہوتا اگر
ثانی اس شمشیر یا اس صاحبِ شمشیر کا

"لافتیٰ الّا علی، لاسیف الّا ذوالفقار"
اس جوان و تیغ سا یعنی نہیں ہے دوسرا!

کیا سبک الفاظ میں واقع ہوا تیرا کلام
اے بیاں! کچھ خیر ہے، کرتا ہے یہ کس کی ثنا؟

شاہِ مرداں، شاہِ یزداں، مرشدِ پیر و جواں
صرف اس کو تو جواں بولے، اسے کہتے ہیں کیا؟

بس سلیقے کو ترے دیکھا، یہ منہ اور اس کی مدح
شان میں جس شخص کے نازل ہوئی ہے 'ہل اتیٰ'

مانگ لے جو مانگنا ہے اس جنابِ پاک سے
اس درِ دولت سے پھرتا ہی نہیں خالی گدا

یا امیر المومنین! اک عرض اس عاصی کی ہے جس کو اپنا ورد یہ کرتا ہے اب صبح و مسا

صدق دل سے جو کوئی ہو اس گھرانے کا غلام

وہ کسو در پر کبھو لے کر نہ جاوے التجا

قصیدہ در مدح

سال گرہ جناب والیِ ملک نائب خلیفۃ الرحمٰن، بندۂ خاص حضرتِ یزداں یعنی رکن السلطنت بادشاہ سلیمان اقتدا مظہر الملک ارسطوِ زماں یار وفادار آصف جاہ نظام الملک نظام الدولہ میر نظام علی خاں بہادر فتح جنگ سپہ سالار رستمِ دوراں

زہے فتوح کی کھولیں دلوں سے یار گرہ
موافقت کی بہم دیں بہ اختیار گرہ

گرہ تو اور بھی دنیا میں ہیں کئی محکم
عجب ہے دل کے تعلق کی پائیدار گرہ

ہے اتفاق جہاں میں عروج کا باعث
فلک کو پہنچے ہے باندھے اگر غبار گرہ

عقود کتنے مواقع ہوئے ہیں جو واقع
رکھیں ہیں ان میں کئی ایک اعتبار گرہ

چنانچہ قطرہ نیساں محیطِ اعظم ہے
صدف کے بطن میں ہو درِ شاہوار گرہ

دویم یہ عقدہ کہ تابش سے مہرِ تاباں کی
جگر میں سنگ کے ہو لعلِ آبدار گرہ

اسی روش کہ چمن میں ثمر کی ہو امید
شگوفہ جھاڑ کے دیوے درخت بار گرہ

جہاں تلک کہ گرہ خوشنما جہاں میں ہیں
تمام ڈھونڈھ کے کیجے اگر شمار گرہ

تو ان کی خوبی کو نسبت کچھ اس گرہ سے نہیں
کہ آج رشتے میں دیتے ہیں یادگار گرہ

یہ وہ گرہ ہے کہ جس وقت اس کو دیتے ہیں
کھلیں ہیں خلق کے کاموں سے صد ہزار گرہ

صبا نے جان کے شادی کا روز، غنچوں کے
دلوں سے کھول دی جا سوے لالہ زار گرہ

جہاں میں گر کسی عاشق سے خوب رویوں کی
کجی سے رکھتی تھی کچھ زلفِ تابدار گرہ

تو آج آئنے بھی منہ کو اپنے دیکھیں ہیں — کریں ہیں شانے نے آروں کی تار تار گرہ

تمام سال میں اس دن کے یاد رکھنے کو — رکھے ہے بند میں ہر شخص چار چار گرہ

خدا قیام قیامت تلک رکھے اس کو — یہ کس کے نام سے رکھتی ہے افتخار گرہ

نظامِ ملک، سلیماں شکوہ، آصف جاہ — وہ جس سے اپنی کھلاتے ہیں تاجدار گرہ

دیے ہیں اس کو خدا نے یہ ناخنِ تدبیر — امورِ ملک میں الجھیں اگر ہزار گرہ

تو اس طرح سے وہ کھولے کہ ظلمتِ شب کی — کرے ہے پنجۂ خور جیسے تار تار گرہ

مشیر اپنے مقرر کیے ہیں وے دانا — ارسطوان سے کھلاتے کرے نہ عار گرہ

وہ عقلِ تیز سے عقدے کچھ اس طرح کھولیں — کہ جیسے کفر کی کھولے ہے ذوالفقار گرہ

کھڑے ہیں مستعد ایسے حضور میں فدوی — کمر سے باندھ کے دامن کی استوار گرہ

کہ ایک گرز کے صدمے سے اپنے وقتِ غضب — فلک کی چاہیں تو کھولیں حباب وار گرہ

بہادر ایسے قوی دست بستہ حاضر ہیں — کہ ٹھوکران کی سے دیں کھول کوہسار گرہ

عدو پہاڑ کی لا کر اگر سپر رو کے — کریں وہ نیزے کی چھاتی سے وار پار گرہ

جو توپ خانہ جینے کی ہو کبھو شلک — عجب نہیں ہے کہ سب کھول دیں حصار گرہ

سبک ہے فیل سواری کو کہیے ابر سیاہ — کہ اس کی باد سے ہوتی ہے تار تار گرہ

کہوں جو کوہ تو ڈرتا ہوں کس قدر ہے ثقیل — نہ ڈالے خاطرِ احباب میں یہ بار گرہ

عماری زرد کسی دیکھ یہ کھلا مجھ کو — کہ دن کی رات سے کردی ہے استوار گرہ

جو فیل اور مقابل ہوا اس کے روزِ وغا — دھوئیں کی طرح سے کھل جائے ایک بار گرہ

جو وصف اسپ کروں تو ہزار ہا ایسے — کہ دل کی کھلتی ہے ہوتے ہی بس سوار گرہ

زمیں کے دورے کو وہ اس طرح کھنڈل ڈالیں — کہ آسیا سے ہو دانے کی انفطار گرہ

بندھا ہے دل میں خیال آ کے طرح کا اس کی — ہوئی ہے کوزے میں اک بحرِ بے کنار گرہ

کروں میں وصف میں ہمت کی خوب دُر ریزی — کرے زبان سے میری اگر قرار گرہ

ہوئے ہیں کیا کہوں یاقوت کس قدر خیرات — ہر اک گدا کی ہے جوں دانۂ انار گرہ

یہیں کے ابر کرم سے لیا ہے دریا نے — صدف نے باندھا ہے جو در شاہوار گرہ

اسی جناب کے صدقے سے گلشنوں میں تمام / یہ زر کی باندھی ہیں غنچوں نے بے شمار گرہ

ہر ایک آن یہ انعام سے ہے یاں سروکار / نہیں یہ دیر کہ دیویں خریطہ دار گرہ

کھلا ہی رکھتے ہیں تھیلی کے منہ کو اس ڈر سے / کہ حکم پہنچے تو دیوے نہ انتظار گرہ

عدالت اس کی سے ہے برّ و بحر میں یہ ربط / کھلاوے شیر کے ناخن سے سوسمار گرہ

کہوں جو مدح کے لایق بیاں مرا کیا منہ / زبان دل سے مگر کھولے کردگار گرہ

بجز دعا کوئی مضمون اور کیا باندھے / اسی طرح سے ہوں یارب ہزار بار گرہ

ہزار روز کا ہفتہ، ہزار ہفتے کا ماہ / ہزار ماہ کا سال، اس طرح ہزار گرہ

اگرچہ خوب کیا ہے کسی نے یہ منظوم / میں اپنی نظم میں دی جس کی مستعار گرہ

ولیک اس میں بھی ہوتا ہے منحصر تعداد / میں چاہتا ہوں کہ ہوں اتنے بے شمار گرہ

کہ کوئی چاہے تو اس کا حساب ہو نہ سکے / اگر گنا کرے، کیا لیل و کیا نہار گرہ

الٰہی اس گھر پاک سے قیامت تک / نہ خالی پاوے کبھو اپنی روزگار گرہ

جو خیر خواہ ہیں ان کے امور سے جوں گل / کھلا کرے بہ حقِ شاہِ ذوالفقار گرہ

مخالفوں کی بجز آتش جحیم کبھو
کھلے نہ کام سے ہرگز سپند وار گرہ

قصیدہ در مدح

نواب اعظم الامرا شبیر الملک معین الدولہ غلام سید خاں بہادر سہراب جنگ دام اقبالہ ودو

اگر ہزار برس تک بیاں کروں تقریر / تو ہو سکے نہ ادا مجھ سے شکرِ حیِّ قدیر

عجب ہے دولت جاوید حق نے کی روزی / ہزار مرتبہ کہیے جسے بہ از اکسیر

ہمیشہ دل میں مرے یہ خیال رہتا تھا / کہ کھینچے پھرتی ہے کیوں ہر طرف مجھے تقدیر

مرے تو دل میں تلاش معاش اتنی نہیں / کہ جس کے واسطے اتنا فلک کرے تشہیر

نہ چاہوں اس سے کبھو میں عروج منصب کا
نہ حرص زر کی رکھوں ہوں، نہ خواہشِ جاگیر

جسے ہو کنجِ قناعت میں خشک ناں کافی
خرید کرنے نہ جاویں کہیں پیاز و پنیر

ملا ہو لطف جسے بوریا نشینی کا
وہ پشم سمجھے ہے قالیں کو اک بچھا کے حصیر

اگر تلاش تھی دل میں تو شخص کامل کی
وہ خواہ امیر بظاہر ہو، خواہ ہووے فقیر

خدا نے حضرتِ انساں کو یہ دیا ہے شرف
زمیں کے فرش پہ بیٹھے ہوئے ہیں عرش مسیر

غرض کہ بس اسی صورت میں ہیں وہ معنیِ خاص
کہ ذہنِ عام سمجھتے کرے ہے جس کو دیر

وہ ذاتِ پاک کہ تشبیہ سے منزّہ ہے
اگر بفرضِ محال اس کی کھینچیے تصویر

تو لایق اس کے یہ انسان ہی کا نقشا ہے
نہ ہو اس آیتِ مطلق کی اور کچھ تفسیر

تو ایسی دولتِ جاوید یاں دکن میں ملی
کہ ایک شخص کو پایا ہے بے عدیل و نظیر

امید یوں ہے کہ اس کیمیا کی خدمت سے
ہماری بھی مسِ ناقص کو ہووے کچھ تغییر

اگرچہ شرط نصیبہ ہے اور استعداد
ولیک صحبتِ کامل کو چاہیے تاثیر

بجا ہے، مدح سے اس کی اگر ہزار جگہ
اس ایک شعر کو سودا کے میں کروں تحریر

غرض نہ خلق ہو دنیا میں آدمی ایسا
کریں جو خاک کو آدم کی لاکھ بار خمیر

نسب تو پہنچے ہے نوشیروانِ عادل کو
حسب میں آصف جمجاہ کا ہے آج وزیر

معین دولتِ دنیا و دیں، مشیر الملک
کہ جس سے تربیت آگہ ہوں کیا جواں کیا پیر

بزرجمہر ہو جس خاندان کا نوکر
سو اس کی پوچھیے کیا عقل و دانش و تدبیر

ہوا ہے خانہ تیمور جب سے آباداں
جہاں تلک ہوئے ہندوستان میں شاہ و وزیر

بالاتفاق سبھی باخبر یہ کہتے ہیں
درستِ عقلی میں ممتاز تر ہے عالم گیر

سو ان نے کتنی مشقت کے بعد آکر آپ
کیا ہے ایک ستارہ زمین کا تسخیر

خدا نے دی ہے اسے اس قدر سلامتِ عقل
موافق اتنی ہے تقدیر ساتھ واں تدبیر

کہ جس جگہ یہ وہ چاہیں وہیں رہے قائم
فلک پہ آپ مسخر ہو ماہ مہر منیر

زبس کے دوستیِ اہل بیت ہے اس کو
ولائے شاہ ولایت سے یہ ہوئی تاثیر

کہ جیسے اہل خوارج کو بغض واں لازم
عناد رکھتے ہیں یاں بھی ہزار ہا بے پیر

جہاں تلک کہ ہیں آقا پرست اس گھر میں
انھوں کو آیۂ رحمت ہے یہ امیر کبیر

کماں کی طرح اگر کج ہو کوئی حلقہ بگوش
تو اس کو کھینچ کے قبضے سی دے ہے ناک میں تیر

زبس کہ نظم و نسق میں ہے رات دن مصروف
نہیں ہے کام میں آقا کے ایک دم تقصیر

اور اس پہ طاعتِ حق بھی فروگذاشت نہیں
کسی نماز کی فوت آج تک نہیں تکبیر

تمام قدرتِ خالق کا یاں ہوا ہے ظہور
عجب ہی ذات ہے مستجمعِ صفات کبیر

کچھ اس کی مدح کے لائق تو ہو سکے نہ بیاں
بس ایک شعر دعائیہ میں کروں تحریر

خدا ہمیشہ رکھے مسندِ امارت پر
بحقِ شاہ ولایت امیرِ کل امیر

مطلعِ دعائیہ جناب خداوندِ نعمت مدظلہ العالی

زباں پہ خلق کی جب تک خدا کا نام رہے
ہمیشہ ملک میں نام خدا انتظام رہے

درمدح

بندگانِ عالی نواب نظام الملک میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ دام اقبالہ

جوں نبوت جناب اقدس پر
ختم دنیا کی یاں ہے سرداری

ہوتے گر آج قیصر و خاقان
کرتے آنکھوں سے کفش برداری

ہے سلیماں شکوہ آصف جاہ
تس پہ اک مور کی خبرداری

جو کہ مفلس حضور میں پہنچے
پھر وہ مشہور ہے بہ زرداری

کہیں اب تک سُنا نہ دیکھا ہے　　نہ یہ دل ہی نہ یہ جگر داری
آں کریمے کہ از خزانۂ　　خود ق گبر و ترسا وظیفہ خور داری
قدویاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

در مدح بندگان خداوند عالم پناہ نواب نظام الملک میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ دام اقبالہٗ

عجب بندہ کیا پیدا ہیں اس اللہ کے صدقے　　سلیماں وقت کا کہیے اس آصف جاہ کے صدقے
اگر انصاف ہو عالم میں اور ہو چشم بینا بھی　　تو سارا شہر ہو آگر ہمارے ماہ کے صدقے
کیا خالق نے مسجودِ خلایق آستانہ یہ　　ملک ہو آسماں سے آگر اس درگاہ کے صدقے
تری دولت ہمیں شاہی ہے اب ملکِ فراغت میں　　ہزاروں جاں سے ہم ہوں اپنے شاہنشاہ کے صدقے
بیاں میں تو وہی ننگا ہوں پر اس کی عنایت سے
عجب کیا ہے کہ ہووے کہربا اس کاہ کے صدقے

مثنوی زوالابراد روے سخن بمیر سجاد

ہے کہاں اے ساقیِ فرخندہ خو
مے پرستوں کی ہے تجھ سے آبرو

ٹک خدا کے واسطے نزدیک آ
آتشِ دوری سے مت جی کو جلا

دے مجھے جام مےِ بےغش شتاب
تا نہ ہوں واں میر صاحب لاجواب

یوں سنا ہے ان دنوں میں ایک جا
ذکر آیا تھا مرے اشعار کا

وہ جو ہیگی ڈیڑھ جزو کی کلیات
جمع ہیں جس میں مرے اکثر نکات

کفر ہے کہنا اسے قرآن ہے
مختصر وہ جو مرا دیوان ہے

اتفاقاً تھا کسی کے ہاتھ میں
لے کر اس کے ہاتھ سے اک شخص یں

نام سے اس کے نہیں مجھ کو خبر
کام ہی کیا ہے کوئی ہوگا لچر

اس نے ہنس ہنس جب کیا پڑھنا شروع
ہو گئے حضارِ مجلس کے رجوع

تھا حقارت سے اسے پڑھنا ضرور
تا نہ ہو اپنی فضیلت کا ظہور

میں ہوں مداحِ امیر المومنین
اس میں مدحِ مرتضیٰ نکلی کہیں

ہو گیا وہ منقبت کو دیکھ آگ
لگ گئی اس کے تئیں مجھ ساتھ لاگ

خوردہ گیری وہ مری کرنے لگا
نام میرے شعر پر دھرنے لگا

سہو و نسیاں سے بشر خالی نہیں
کب کہا میں نے ملک اپنے تئیں

لاکھ جا میں نے کہا ہوگا غلط
لیکن اس جا میں وہی سمجھا غلط

شعر میں میرے لکھا تھا ایک جا
ہے خطِ فرضی سما پر استوا

جوں ہی یہ اس کے تئیں آیا نظر
دو نہیں یہ کہنے لگا وہ بے خبر

ہے سما پر استوا، یارو! کہاں؟
یہ تو ہے فرقِ زمین و آسماں

واں بھلے کو میر سجاد آ گئے　　بات کو اس نا سمجھ کی پا گئے
مجھ سے ہرگز آشنائی بھی نہ تھی　　پر دلوں سے کچھ جدائی بھی نہ تھی
کیا کروں ان کی بزرگی کا بیاں　　شکرِ احساں سے مجھے فرصت کہاں
غائبانہ بندگی پیدا ہوئی　　بندگی تا زندگی پیدا ہوئی
میں سنا ہے یوں کہا سجّاد نے　　قبلۂ شعرا و شہر استاد نے
اس جٹنبق سے کہ سن، اے نکتہ چیں!　　یا تو اس کا شعر تو سمجھا نہیں
یا کہیں کاتب نے لکّھا ہے غلط　　ہاتھ کا ہرگز نہ ہوگا اس کے خط
گر غلط بالفرض بولا ہے بیاں　　تو بھی کر دے گا تری خاطر نشاں
ڈھونڈ کر وہ اس کی لا دے کا سند　　گر اسے کرنی ہے تیری بات رد
اے صبا! ٹک جائیو سجّاد تک　　یہ سند پہنچائیو سجّاد تک
شعر کہتے ہیں جہاں تک نیک و بد　　بات خاقانی کی ہے ان کو سند
غور کر اس کے قصائد دیکھ لو　　مصرعِ اوّل میں جس مطلعے کے ہو
لفظ بوے سر بمہر آمد بما　　اس میں وہ بولا ہے خطّ استوا[1]
اس سے کہیے ڈھونڈ لے اے مہرباں　　آسماں پر یا زمیں پر ہے کہاں
گر نہ سمجھے شعر خاقانی کے تئیں　　میر صاحب بولیو ہرگز نہیں
آپ کی پاپوش ہووے ہم کلام　　چھیڑیے ہنس ہنس کے اس کو صبح و شام
چھیڑنا تو کیا سکھاؤں میں تمھیں　　دو کھنا تو کیا بتاؤں میں تمھیں
فضلِ حق سے اس ہیں بھی استاد ہو　　قہر ہو، طوفان ہو، بیداد ہو
سخت گستاخانہ میں بولوں ہوں اب　　کر دیا تیرے کرم نے بے ادب
ورنہ ہے یہ تاب یہ طاقت مجھے!　　یہ سبک الفاظ میں بولوں تجھے!
بے محبت تو اگر بولے بیاں　　تو معاذ اللہ جل جاوے زباں

---

[1] از سرِ زلفِ تو بوے سر بمہر آمد بما　　جاں بہ استقبال شد کاے مہد جانہا تا کجا

مشفق من! واجب التوقیر من! — چہل کی کچھ رکھیو اے میرزمن
پہلے اس کو کچھ زمیں پسوائیو — پھر اسے ٹک آسماں دکھلائیو
چھیڑنے سے جب وہ ہو جاے خفا — شعر کے معنی تو دیجئے گا بتا
لیکن اتنی عرض میری مانیو — گر مناسب وقت کے تم جانیو
اپنے ہاتھوں ہونٹ اس کے لیجیو — اور اتنا کان میں کہہ دیجیو
پھر کسی کے شعر کو مت دوکھیو — سقم اس میں گو کہ ہو مت دوکھیو
شاعروں سے بحث کرنا خوب نئیں — کہتے ہیں شاگرد رحماں ان کے تئیں
خواہ نخوت ان میں ہو خواہ ہے غرور — ہے غرض ان کا ادب کرنا ضرور
بندہ پرور! اس کو باور کیجیے — یہ نہیں کہتا ہوں میں اپنے لیے
بندہ موزونوں میں بھی اب تک نہیں — جانیے گا اس کو اے مشفق یقیں
اس قدر بکتا ہے یہ اس واسطے — آپ کو معلوم ہے کس واسطے
تا ڈریں سب شاعروں سے خوردہ گیر — آپ سا ان کو نہ سمجھیں یہ حقیر
پھر کہیں ساقی شتابی سے ایاغ — بیت بحثی کا نہیں مجھ کو دماغ
مت کہیں جھنجھلا کے اے پیر مغاں — ہزل سے آلودہ ہو میری زباں

داستان دویم

کیجیے پیغام بر ایسے کے تئیں — کچھ ملادے بیچ میں اپنی نہیں
کہیے جتنی اتنی ہی جاکر کہے — بات واں کی صاف یاں آکر کہے
بیچ والے کچھ کی کچھ کہتے ہیں جا — دو کو یہ دیتے ہیں آپس میں بھڑا
ان دراندازوں سے لازم ہے حذر — بھاگتے ہیں بھس میں چنگی ڈال کر
آج ہی اے کاش ہو روز جزا — فتنہ انگیز اے خدا پاویں سزا
یا کہیں معدوم ہوویں یہ تمام — یا نہیں موقوف ہو رسم پیام
بھیجیے کس شخص کو سجّاد پاس — قبلۂ شعرا در شہر استاد پاس

تو ہی پھر ہو، اے صبا پیغام بر | بعد عرضِ بندگی یہ عرض کر
صاحبِ من مجھ کو یہ معلوم نئیں | صاف ٹک لکھ بھیجے اس کے تئیں
کون ہے جن نے کیا ہے اعتراض | ہاتھ میں آئی تھی کس کے وہ بیاض
ہے اگر ایسا ہی کوئی سہل سا | میں نے نادانی میں جیسا لکھ دیا
تو تو چنداں عذر میں کرتا نہیں | جانتا مجرم نہیں اپنے تئیں
بلکہ لاتا ہوں سند پر میں سند | ہر طرح کرتا ہوں اس کی بات رد
شعر فیضی یاد اب مجھ کو نہیں | نل دمن میں لیک دیکھا ہے کہیں
ترجمہ ہوتا ہے اس کا اس قدر | جوں ہے خطِّ استوا افلاک پر[1]
اور بھی پہنچی سند یہ دوسری | بولتا ہے یوں رضیِ مشہدی
ہے مساوی آسماں کے روز و شب | استوا کے خط سے جب دیکھا وجب[2]
پر کہاں فہمید اس کی اس قدر | نہ فلک کو بھی نہیں اس کی خبر
شعر خاقانی سے کیا حاصل ہوا | ہے رضی کی بیت کا کیا مدّعا
میرزا صائب نہ آوے جب ملک | کوئی اس کے دل سے جاتا ہے یہ شک
ہو کہیں پیدا جب ایسا صاف گو | میر صاحب! تب تسلّی اس کی ہو
جانتے ہیں کہہ سے کرتا بہ مہ | ترجمہ ہے شعر کا صائب کے یہ
رہبر پیراں نہیں ہے گر عصا | کیوں ہے گردوں پاس خطِّ استوا[3]
اس سند سے بھی اگر قایل نہ ہو | پیرِ نابالغ سے تب اتنا کہو
"کیا نہیں تو نے پڑھی اب تک نصاب | وہ تو ہے لڑکوں کے پڑھنے کی کتاب
جا کسی مکتب میں اس لڑکے کے پاس | دودھ کی آتی ہو جس کے منہ سے باس
اس سے اتنا کہہ کہ خطِّ استوا | کس کے تئیں کہتے ہیں تو مجھ کو بتا"

---

1. (فیضی ہم چوں خط استوا بر افلاک)
2. مساوات است ظلم و عدل پیش چرخ دوں پرور | زخطِ استوا روز و شب او را وجب کردم
3. عصا رہبر نہ باشد گر نہ پیراں را دریں وادی | چرا گردوں بہ دست خولش خطِّ استوا دارد

وو ہیں بولے گا کہ محور کے تئیں ہے تصاب اس میں لکھا ہیگا کہیں

ایک خاقانی غلط کہتا اگر کھینچ دیتا شعر پر میں اپنے خط
شیخ ابونصر ورضی وصائبا چرخ پر بولے ہیں خطِ استوا
وے اگر ناداں ہیں تو میں بھی سہی کیوں بھلا یہ بات تو اچھی کہی
عقل سیں معلوم یہ مجھ کو ہوا تو دروغ اس کو نہ کہوائے خدا
وہ ملا ہیگا منجم سے کہیں شعر پر اتنا عبور اس کو نہیں
اہل ہیئت سے لیے ہیں کچھ سبق پاس رکھنا ہے سند کئی اک ورق
پر نہیں اس فن میں بھی اس کو کمال ہے غرض اس گفتگو سے یہ مآل
بزمِ شعرا میں اسے ہیہے نہ آئے اہل ہیئت پاس اب دفتر میں جائے
جب منجم اس کے ہووے روبرو تب تو کہلاوے وہ شاعر آپ کو
جب کہیں شاعر کے ہو جاوے دوچار تب لگے کرنے ستاروں کا شمار
گر سلامت رَو ہے تو اس چال کو وہ اخذ کرے، کبھو خفت نہ ہو
گر خدا ناخواستہ وہ نکتہ چیں آشناؤں میں ہے، بیگانہ نہیں
تو تمھارے منہ سے شرمندہ ہوں میں میر صاحب! آپ کا بندہ ہوں میں
آپ کا خادم مرا مخدوم ہے اب تلک مجھ کو نہیں معلوم ہے
کون ہے؟ کیسا ہے؟ کیا رکھتا ہے نام؟ پختہ مغزوں سے ہے یا مجھ سا ہے خام
ہے اگر وہ شخص تم سا باخبر مو سے تو گردن مری باریک تر
حق کو باطل سے جدا کر دیجیے ہونٹ میرے اس کے بدلے سیجیے
آنت نئیں شیطان کی، یہ داستاں اب دعا پر ختم کر اس کو بیاں
یہ طناب ارض ہے جتنی رسا جس قدر ہے طولِ خطِ استوا

ہو زیادہ اس سے بھی اے بے نیاز
عمر کا سجّاد کی رشتہ دراز

چیک نامہ

آہ واویلا ز دستِ روزگار
قوش خانوں میں ہے یہ غم روبکار

سر سے ہر اک باز نے پٹکی کلاہ
رخت ہر شاہین نے پہنا سیاہ

ہو گئے جرّوں کے دل غم سے دو نیم
باشہ و باشین و شکرے بھی دو نیم

کیا زمتی، کیا کہی، کیا بے سرا
یک بیک ان سے زمانہ یوں پھرا

صید اگر چاہیں کریں پدڑی کے تئیں
پنجوں میں اتنی بھی گیرائی نہیں

دیکھ کر دبتے ہیں، یوں ٹڈوں کے خیل
تیتری کے ساتھ اب گاٹھیں ہیں ویل

پشّہ کے آگے ترمتا ہے ضعیف
بھنگے کی نظروں میں دھوتی ہے خفیف

آہ کچھ مت پوچھو اب اس کا سبب
کیا کہوں یارو! میں تم سے ہے غضب

میرزا فیضو کی چیپک مر گئی
قوش خانے جگ کے ویراں کر گئی

کس قدر ہے آسماں بے امتیاز
آہ کیا مارا ہے ان نے شاہ باز

وضع دوراں سخت ناانصاف ہے
دیکھیو یارو! یہ کیا انصاف ہے

میرزا غمگیں ہوں چڑیاں شاد ہوں
گھونسلے چہیوں کے یوں آباد ہوں

ہائے کیا تلیر کے گھر شادی ہے آج
پپیک غوغائی کے یاں آیا ہے راج

کبک کیا کیا مارتے ہیں قہقہے
کیسے دھیئر کر رہے ہیں چہچہے

حیف طعمہ ڈال کر وہ یوں مرے
اور ہر اک جانور خوشیاں کرے

کانپتے تھے خوف سے اس کے بٹیر
جب سے سبزک پر کیا تھا اس کو سیر

ڈر سے بگلے نیند بھر سوتے نہ تھے
کوئی غافل موت سے ہوتے نہ تھے

کیا کبوتر کیا ٹھٹری اور کیا بزے
ٹونٹر و تیتر لوے اور ابلقے

بغلی اس کے خوف سے کرتے نہ تھے | سر کو پنکھوں کے تلے دھرتے نہ تھے
قاز چگ سکتے نہ تھے جنگل کے کھیت | قرقرے چگتے کبھو لیکن سو چیت
دغدغوں کا کیا کلنگوں کے ہے ذکر | زندگی کا اپنی تھا سارس کو فکر
جانور آبی کی جب پڑنے خیال | کھینچ ڈالی تھی جو اصل کی بھی کھال
ایک دن مرزا گئے کرنے کو سیر | ہوگئی اس میں تنک طعمے کو دیر
بھوک سے جھنجلا کے وہ غصّے میں آ | لے چلے مرزا ہی کو نیفے لگا
اب پڑی ہے گھورے اوپر لنڈ منڈ | گرد چگتے پھرتے ہیں چڑیوں کے جھنڈ
ہائے وہ مرزا کہ جس کا سن کے نام | آب ہو سیمرغ کا زہرہ تمام
سو کیا اس کو فلک نے یوں ذلیل | مرتے ہی چیک کے یہ بگڑا ہے نیل
کوؤں کی ٹھونگیں ہیں اور مرزا کا سر | شارد اڑ جاتی ہے منہ پر پاد کر
لے نکلتے میرزا اس کو جدھر | چوبھے پر، لونڈی سے کہتے، ہانڈی دھر
گھر کی بی بی سے یہ کر جاتے قرار | ہم نہیں کھانے کے جز غیر از شکار
اب دو پیازے قوشچی کھاتے ہیں سب | میرزا بوٹی کو ترسیں، ہے غضب
تھی چڑی ماروں پہ مرزا جی کی کرَ | نصف ان کے جتنے پکڑیں جانور
ہائے جس دن سے وہ پارو مر گئی | سب چڑی ماروں کے سر سے کر گئی
بلکہ وہ کہتے ہیں خاص و عام میں | میرزا آئے ہمارے دام میں
لیں گے پیسے سابق اور اب حال کے | ورنہ پھنسوا دیں گے جا کتوال کے
جب نکلتے میرزا بازار کو | تیز کرتے واں چھری کی دھار کو
دیکھ کر ان کے تئیں بنیے تمام | بند کر آنکھوں کو کہتے "رام رام"
ان سے یہ کہتے اگر منظور دھرم | ہے تمھیں اور دھرم کی ہے اپنے شرم
مت چھڑاؤ پھٹکیوں کے جانور | جتنے ہوں پیسے اکھٹوں کے جمع کر
بھیج دو جلدی نہ ہو ایسا کہیں | کھولوں میں پتّو اس سے چیک کے تئیں
اس سخن کو جس گھڑی سنتے تھے وہ | وہ وہیں کہتے تھے کہ جو چاہو سو لو

یہ تو بنیے کیا ہیں کسی اک روز میں
راجپوتانے سے آئیں رشوتیں

جب سے مرنا ہو گیا اس کا یقیں
ایک خر مہرہ کوئی دیتا نہیں

اب کسو سے بھی نہیں ان کو یہ چشم
دیوے ان کو کوئی اپنی بائیں پشم

گھر ہوا مرزا کا اب ماتم سرا
پرسے کو آتے ہیں یار و آشنا

کر گریباں چاک یہ ان کے حضور
بین یوں کرتے ہیں منھ اپنا بسور

ہائے بھی چیک جو وہ تو آپ تھی
اپنی تو یارو! وہ مائی باپ تھی

کھولتا جب اس کے تئیں پتواز سے
ہاتھ پر آتی تھی وہ اس ناز سے

برگ گل جس طرح جھڑ کر باؤ سے
پنکھ پر بلبل کے آوے چاؤ سے

پھینکتا جب صید پر اس کو میں جا
اس طرح جا لاگتی کافر ادا

جس طرح عشاق کی آہِ سحر
دل میں معشوقوں کے ہووے کارگر

پر غلط یہ تو کہا میں نے یہاں
آہ عاشق میں اثر ایسا کہاں

جس طرح معشوق کی بھٹنے نگاہ
خون عاشق کا کرے ہے بے گناہ

کیا کہوں ایسی غرض اڑتی تھی قہر
پڑ گئی تھی دھوم اس کی شہر شہر

پودنے نیاں کے بنگالے میں جا
ایک مینا سے کہا یہ ماجرا

سنتے ہی اس پودنے کی بات کے
اڑ گئے مینا کے طوطے ہات کے

مجھ کو بچپن سے رہا ذوق شکار
پالا میں برغد سے لے تا چرے مار

خوب سا ان کا کیا ہے میں نے دید
ریش پنچالوں میں کی ان کی سفید

پر نہیں دیکھا میں ایسا جانور
ہووے چیک اور اڑے وہ قاز پر

سب طرح کے جانور ڈالے تھے چیر
گر پرند اس سے بچا سو ہے وہ تیر

کیا کہوں چیک تھی یا باشین تھی
باز کی بچی تھی یا شاہین تھی

سنتے ہیں یہ ورد جب وے آشنا
ان سے کہتے ہیں کہ سچ اے میرزا

واقعی یہ غم تو ہیگا ناگوار
پر خداوندی سے ہے کیا اختیار

غم میں اس کے میرزا اتنا نہ رو
مت کہیں ایذا ہو مرغ روح کو

اوج پر تیرے نصیبوں میں نہ تھا　　گو پھنسا تھا دام میں آکر ہما

غم سے اپنے دل کو تو موقوف کر

جوں بیاں کرتا ہے قصّہ مختصر

تعریف چاہ مومن

رہ کے دنیا میں کیجیے کچھ فکر　　بعد کوئی کرے یہ خوبی ذکر

یہ لباسِ حیات فانی ہے　　نقش بر آب زندگانی ہے

آگے کرتے تھے آدمی وے کام　　جس کے باعث رہے ہمیشہ نام

کرتے تعمیر اہل مکنت و جاہ　　پل و مہماں سرائے و مسجد و چاہ

اب نہ وے دن رہے، نہ وے راتیں　　رہ گئیں یادگار وے باتیں

وہ جو تھا کوئی شخص مومن خاں　　غور اگر کیجیے تو اب ہے کہاں

نیک یہ کر گیا ہے ایسا کام　　کہ سدا باجتا ہے اس کا نام

یہ کٹورے سے نکلے ہے آواز　　کہ نکوئی کن و در آب انداز

ایک ایسا بنا گیا ہے کنوا　　کہ کبھو روز حشر تک نہ موا

نہیں مرنے کا حشر تک وہ مرد　　جس کا نکلا ہے چاہ ایسا سرد

ہفت اقلیم کے تمام کنوے　　چپنی بھر پانی لے کے ڈوب موے

جھرّے، آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں　　شرم سے ڈبرے آب ہوتے ہیں

جتنے روے زمیں پہ ہیں تالاب　　ہو گیا ہے سبھوں کا زہرہ آب

کیا کنواں ہے کہ جس کی سن کے ثنا　　چھپ کے آوے ہے دیکھنے دریا

اس میں پانی ہے یا کہ آبِ حیات　　یا ہے وہ شربت گلاب و نبات

نام اس یخ سرشت کا کس بھانت　　لوں کہ بجتا ہے میرے دانت سے دانت

ڈگڈگا کر اگر کوئی پیوے تا نہ اوڑھے لحاف کیا جیوے
جب سے پیدا ہوا ہے وہ پانی جس کی کرتا ہوں میں ثنا خوانی
یارو! اس دن سے برف بے چاری گھلی جاتی ہے شرم کی ماری
شور شورے کا اٹھ گیا یکبار ہو گیا سرد برف کا بازار
ٹھنڈی از بس ہوئی خریداری ٹھٹھرے جاتے ہیں ان کے بیوپاری
جتنے اس شہر میں ہیں شورہ فروش کہتے ہیں دل ہی دل میں کھا کر جوش
فکر کیا اس متاع کا کیجے آگ پانی کے ہاتھ سے دیجے
قلمی کیجے اسے کودے کے گداز تا خریدار ہووے آتش باز
برف والے جہاں تلک ہیں اب گرد و پیش اس کنویں کے آ کر سب
کہتے ہیں "آہ چاہِ مومن خاں گھر ہمارے کو کر دیا ویراں"
کیا سقوں کا خانماں برباد تیرے ہاتھوں سے اے کنویں فریاد
لے کر اس آبِ جانفزا کا جام پانی پی پی کے کوستے ہیں تمام
سچ ہے جس شہر میں ہوا ایسا چاہ شورے اور برف کی ہو واں کیا چاہ
جن نے اک بار بھی پیا وہ آب حشر تک زیرِ خاک ہے سیراب
بس کہ بارد ہے وہ میں ڈرتا ہوں نہ لگے بندھنے اب خنک مضمون

آگے سردی کا اس کے کرتے بیاں
اینٹھی جاتی ہے میرے منہ میں زباں

موش نامہ کہ در سال خوک در پانگل گفتہ شد

اس قدر ہے تمام روئے زمیں ‏ ‏ موش کا یہ نہیں وفور کہیں

آج کیسا ہے پانگل میں وفور ‏ ‏ شوق سے دوڑتے پھریں ہیں حضور

ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ہزار ‏ ‏ اور بڑے گھر میں ہیں فزوں زشمار

لاکھوں سچ کروڑ بھی سچ ہیں ‏ ‏ سارے گھر میں بھرے مچاپچ ہیں

پھریں چھپر میں اس طرح سے دلیر ‏ ‏ نَے کے جنگل میں جس طرح ہو شیر

ٹٹی پاکھوں میں اور چھپّر میں ‏ ‏ نیچے تنکوں کے اس طرح گھر میں

جس طرح کوئی ڈالے آم کی پال ‏ ‏ کر دیا ہے زمین کو غربال

جس جگہ کھود دیے وہاں بل ہے ‏ ‏ بچے بچوں سے ان کے کلبل ہے

ہیں کوبلو کے گھر میں اس سے زیاد ‏ ‏ ان کے ہاتھوں ہے داد اور بیداد

ایک گٹھری تلے رہیں دس دس ‏ ‏ جا کہ اپنے لیے کریں دھنس دھنس

جھڑیں اتنی شتاب بھونی پر ‏ ‏ اتنی جلدی نہ کر سکیں ڈونبر

اور ڈھابا تو ہے انھوں کا مقام ‏ ‏ سب جگہ سے بہت ہے واں آرام

در میں، چوکھٹ میں طاق وایواں پر ‏ ‏ سب مکانات میں ہے ان کا گزر

صحن میں جیسے گرم ہے نخّاس ‏ ‏ فرش پر کودتے ہیں بے وسواس

بیٹھ پر چڑھ کے سر پہ بیٹھتے ہیں ‏ ‏ آستیں پائنچوں میں بیٹھتے ہیں

پانو کی انگلیاں کترتے ہیں ‏ ‏ ہاتھ کی کب کترتے ڈرتے ہیں

شب کو چھاتی پہ آ کے سوتے ہیں ‏ ‏ دُم کو لا ناک میں پردتے ہیں

بلیاں ان کی سب کلونڈی ہیں ‏ ‏ باپ دادے کے گھر کی لونڈی ہیں

منہ سے روٹی کو چھین لے جاویں ‏ ‏ بولے تو ناک کو کتر کھا

نہ کو سن کے دور بھاگتے ہیں ‏ ‏ ان کی دہشت سے سب کو بھاگے ہیں

کیا مسلمان اور کیا ہندو　　سب نے ناچار ہو کہا ماموں

گھر میں رکھتے ہیں جنس کہہ کر اب　　بھانجی کا تری جہیز ہے سب

رام لچھمن کو بیچے اب بیچ کر　　ایک مانیں ہیں موسیٰ پیغمبر

دھوم افراط سے مچائی ہے　　چوہے ماموں کی اب دہائی ہے

اب کہ ہے سالِ خوک میں یہ حال　　پھر تو آتا ہے آگے خوک کا سال

دل میں تھا کچھ کروں زیادہ رقم　　کیا لکھوں سب کتر گئے ہیں قلم

کیونکہ لکھنا نہ اب کروں موقوف

کھینچ کر لے گئے دوات کا صوف

واسوخت

کب تک میں سوزِ دل کو نہ لاؤں زباں تلک — تاثیر کر گئی ہے تپِ عشق جاں تلک
اُٹھ کر جگر سے دود گیا آسماں تلک — روئی میں کوئی آگ چھپائے کہاں تلک
لے سرزمیں سے چین کی ہندوستاں تلک — بے مہربت سے لے صنمِ مہرباں تلک
خوباں جہاں کے دیکھے ہیں میں نے جہاں تلک — ہے ناز سب کے ریجھ دلیکن نہ یاں تلک؟

اے شعلہ خو! ز طبع غیور تو سوختم
نزدیکی و در آتش دورِ تو سوختم

اے چرخ تیں ہمیشہ رکھا مجھ کو تلخ کام — ڈالا نمک حسرتِ مے عیش میں مدام
آرام سے ہوئی نہ کبھی ایک صبح و شام — مجھ خوش نصیب کو جو ہوا وصل بھی بہ نام
تو بھی بغیر نالہ و زاری رہا نہ کام — دھڑکا لگا رہا کہ نہ لے ہجر انتقام
خواہش پہ دل کی وہ بتِ سرکش ہوا نہ رام — اک وے بھی آدمی ہیں کہ جن کا ہے یہ کلام

"دیدارش میسر و بوس و کنار هم
از بخت شکر دارم و از روزگار هم

ناصح! تجھے ہے خبط اگر مجھ کو ہے جنوں — اب اختیار کیا ہے کہ دل اس سے پھیر لوں
دیوانگی کو میں بھی سمجھتا ہوں ہے زبوں — پر ترکِ عاشقی، نہیں ممکن کہ کر سکوں
داماں یار ہاتھ سے میں اپنے کیونکہ دوں — لے کر زمیں کی تو سے تا چرخ نیلگوں
مجھ کو کسی سے کام، نہ طالب کسی کا ہوں — مجھ سے جو کوئی پوچھے تو میں تو یہی کہوں

خورشید و مہ بیک طرف، آں رو بیک طرف
عالم ہمہ بیک طرف و او بیک طرف

قاصد! یہ کہیو اس سے اگر ہو کہیں دو چار — کیا خط لکھے کہ جس کو نہ ہو ایک

جگر سے لے گیا ہے اُسے قلق و اضطرار
پھرتا ہے ڈھونڈھتا تجھے ہر سو خراب و خوار
کہتا ہے یہ ہر ایک سے وہ ناتوان و زار
میری طرف سے کہیو کہ اے یارِ غم گسار
مرنے سے کیا کروں نہیں اپنا کچھ اختیار
کیا زندگی ہے اس کی کہ جو جس ہے دور یار

در دوریٔ تو نیست تمنائے زندگی
من زندہ ام بہ ہجر تو اے وائے زندگی

آنکھیں ملا کے مجھ سے ٹک ارشاد کیجیے
وہ ابتدا کی طرح ٹک اب یاد کیجیے
پہلے تو اس سلوک سے دل شاد کیجیے
ویراں چمن کو کر قفس آباد کیجیے
اب کہ قفس تو یہ ستم ایجاد کیجیے!
گر قطع بال و پر مجھے آزاد کیجیے
اتنا ستم نہ اے مرے صیاد کیجیے
کس کے حضور نالہ و فریاد کیجیے

صیادِ سنگ دل ستم ایجاد می کند
پر ہا شکستہ از قفس آزاد می کند

شاید مرے نصیب میں راحت بہت ہے کم
قسمت میں میری عیش ہے معدوم یک قلم
آرام وصل میں نہ ہوا مجھ کو ایک دم
تس پر کیا فراق نے یہ ظلم و یہ ستم
دن رات میری چھاتی کے اوپر ہے کوہِ غم
دریائے خوں میں غرق ہوں میں سر سے تا قدم
کم کس خوشی کی ہووے توقع میں یہ الم
کیا یاد کر کے شاد کروں دل کو اے صنم

لطف نہ کردہ کہ دے شاد زاں کنم
بر من غمت چو زور کند یاد زاں کنم

اک یار رفتہ کیا کہوں میرا گیا کہاں
ہر چند ڈھونڈیے، نہیں ملتا کہیں نشاں
ملنے کا اس سے کیوں کہ نہیں ہے مجھے گماں
بے طاقتی سے دل کی میں آیا ہوں اب بہ جاں
تسکین جس جگہ ہو وہ ہے کون سا مکاں
عرصہ ہوا ہے تنگ نپٹ زیرِ آسماں
اب کیا کروں میں چین نہیں ہے مجھے بیاں
ہر چند اپنے لطف سے یوں بعضے مہرباں

گو ینا صبر کن کہ ترا صبر بر دہد

اب چوتھا کا کیا ذکر کہ لیں نام مرہٹے — تدبیر عجب اعظم الامرا سے بن آئی
از روے یقیں مجھ کو بیاں ہے یہ بشارت — 'پونا میں ہوئی رستم دوراں کی دوہائی'

در مبارکباد حضور پُر نور کہ سنہ ۱۲۱۰ ہجری شدہ

از خضر زیادہ تر معمر باشی ۔ با دولت و جاہ — در حفظ و حمایت پیمبر باشی ۔ اے خلق پناہ
مادام کہ آفتاب محشر تابد ۔ با عمر دراز — تو بر سرِ خلق سایہ گستر باشی ۔ انشاء اللہ

تاریخِ وفات حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ

صہبا شد خوشۂ کہ در خم جوشید — دریا شد قطرۂ کہ در بحر رسید
چوں دار بقا جناب مظہر بگزید — تاریخِ وصال مظہر گل گردید

وزیر اعظم بخیر و خوبی بدولت و جاہ آج آیا
ہزار شکر اور کروڑ احسان خدا نے یہ دن ہمیں دکھایا

غزل فارسی

وہ چہا از مانہ رفت آن دم کہ یار از دست رفت ہوش از سر، طاقت از پا، اختیار از دست رفت

چہرنا آرایداں نو خط دلِ وحشی رمید تا بخود صیاد پرداز د شکار از دست رفت

در ہوائے باغِ بلبل آشیانِ خود گزاشت گل نیامد در کفِ امید و خار از دست رفت

شاہ من زود آ کہ در اقلیم دل ہنگامہ ایست گر تو اندک دیر کردی ایں دیار از دست رفت

دامنش از کف ندادم تا بخود بودم بیاں
دست رفت اوّل نگاہ کار از دست رفت
